

سفرنامہ ممبئی

لاہور سے ممبئی تک مختلف شہروں کی
اجمالی کیفیت اور شاعروں کا دلچسپ تذکرہ
مؤلفہ

منشی وجاہت حسین صاوجاہت جمنجانی
اڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور

۱۹۱۰ء

مطبوعہ نوکشا گریس پریس لاہور
اسد اللہ کاتب

لاہور

قیمت ۱۰۰

طبع اول

ہدیہ

یہ تاجیز سفر نامہ

عالی جناب نواب شمشیر بہادر صاحب انگرہ

رئیس اعظم ریاست اجمے گڑھ سنٹرل انڈیا

کی

خدمت میں بطور ہدیہ پیش کیا جاتا ہے

گر قبول افتد رہے عز و شرف

فہرست مضامین

صفحہ	مضمون	نمبر شمار
۲	تمسید	۱
۳	لاہور سے بلند شہر	۲
۷	علی گڑھ	۳
۹	مارہرہ ضلع ایٹہ	۴
۱۸	آگرہ	۵
۲۳	اجمیر شریف	۶
۳۶	جوڈھپور	۷
۴۲	احمد آباد	۸
۵۱	بھڑوچ	۹
۵۴	سورت	۱۰
۵۵	بمبئی	۱۱
۷۰	برہان پور	۱۲
۷۴	بھوپال	۱۳
۷۹	آٹھ	۱۴
۸۱	گوالیار	۱۵
۸۴	ہاتھرس	۱۶
۸۷	خاتمہ	۱۷
۹۸	قطعہ تاریخ	۱۸

تہذیب

یہ سفر نامہ لطیری حیثیت سے ایک نئی چیز ہے۔ اس طول طویل سفر میں مجھے اکثر شاعروں سے ملنے کا اتفاق ہوا جو کسی نہ کسی طرح رسالہ اصلاح سخن سے تعلق رکھتے تھے۔ مگر بہت سے سخنور ایسے بھی ہیں جن سے اس سفر میں میری ملاقات نہیں ہو سکی اور وہ میرے حالات سفر دیکھنے کے شتاق ہوں گے لہذا مناسب سمجھا گیا کہ عام ناظرین اصلاح سخن کی آگاہی کے لئے واقعات سیاحت ایک کتابی شکل میں شائع کئے جائیں۔ مزید دلچسپی کے لئے فوٹو شامل کرنے کا بھی ارادہ تھا۔ مگر اب اصلاح سخن میں تصاویر کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے۔ انشاء اللہ کبھی کبھی میرا نمبر بھی آہی جائے گا اس وجہ سے یہ سفر نامہ بغیر تصویر ہی شائع کیا جاتا ہے۔

میں نے اس سفر نامہ میں جو باتیں لکھی ہیں وہ بناوٹ اور رنگ آمیزی سے خالی ہیں۔ جس شہر میں جو کیفیت جس طرح پیش آئی راست راست بغیر کم و کاست لکھ دی۔ اگر ناظرین پسند فرمائیں تو زہدے عذر و شرف۔

لاہور جنوری ۱۹۷۷ء

خاکسار
وجاہت جھنجھانوی
ادوٹر اصلاح سخن

لاہور سے بلند شہر

میں حسب قرار داد لاہور سے مارچ ۱۹۰۹ء کے پہلے ہی ہفتہ میں روانہ ہو چکا تھا۔ ۱۱۔ مارچ تک اضلاع سہارنپور و مظفرنگر کے بعض دیہات و قصبات میں خانگی وجوہ سے ٹھہرنے کا اتفاق ہوا۔ اس لئے یہ گیارہ دن اصل سفر نامہ سے خارج سمجھنے چاہئیں۔ گیارہ مارچ کو بارہ بجے رات کے شاہدہ سہارنپور لایٹ ریلوے کے اسٹیشن تھانہ بھون سے سوار ہو کر علی الصباح مشاہدہ (دہلی) پہنچا۔ چونکہ بلند شہر اس مضمون کا اطلاعی خط بھیجا جا چکا تھا کہ میں ۱۲۔ مارچ کو چھ بجے شام کی ٹرین سے بلند شہر پہنچو گا۔ اس لئے وقت گزارنے کے لئے چند گھنٹے غازی آباد میں قیام کیا۔ اور چار بجے کے قریب دوسری ٹرین میں سوار ہو کر خورجہ جنکشن پر اترا۔ اور وہاں سے دوسری ریل نے ٹھیک ۶ بجے بلند شہر کے اسٹیشن پر پہنچا دیا۔ یہاں کسی صاحب کا ظاہری شناسائی نہ تھی۔ منشی ضمیمہ الدین احمد صاحب اشک مولانا آغا رفیق رحمت۔ ندیم۔ اثر۔ وغیرہ ہوا خواہان اصلاح سخن پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ میں نے گاڑی سے اتر کر اپنا ٹرنک اور بستر قلی کو دیا۔ اور بلند شہر کی پارٹی میں جناب اشک کو مرشدین سمجھ کر معمولی سلام کیا۔ انہوں نے کہا اڈیٹر اصلاح سخن! میں نے جواب دیا ہاں! یہ سن کر انہوں نے نہایت تپاک سے مصافحہ کیا۔ اور دیگر احباب بلند شہر سے یکے بعد دیگرے تعارف کرایا۔ جب اسٹیشن سے باہر آئے۔ تو یہ اتفاق کی بات ہے کہ اس روز کوئی گاڑی نہ ملی۔ آخر میرا اسباب

میاں رحمت - ندیم - اثر وغیرہ نے اٹھایا۔ اور ہماری مختصر سی پارٹی شہر کی طرف
پیدل روانہ ہوئی۔ شام کا وقت۔ ٹھنڈی ہوا۔ نئے اجاب کی مہارہی۔ مجھے ابرقت
خاص مرور حاصل ہوا۔ جائے قیام پر پہنچنے سے پہلے جملہ اجاب نے مسجد میں
مغرب کی نماز پڑھی۔ اس کے بعد جناب اشک جنرل مرچنٹ کی دکان پر جمع رہا
شب کے کھانے سے فراغت پا کر اشک صاحب مجھے اپنے اس مکان میں
لے گئے۔ جو انہوں نے پہلے سے میرے قیام کے لئے تجویز کر رکھا تھا۔
چونکہ میں رات بھر کا جاگا ہوا تھا۔ اس لئے سویرے سو گیا۔ صبح کو مطیع ہر پشاد
بلند مشہور دیکھا۔ یہ ایک چھوٹا سا مطیع ہے۔ کاتب اور پریس مین وقت سے
ساتھ ہیں۔ مگر مالک مطیع کی ہمت قابل تعریف ہے۔ کہ وہ برابر اس کام کو چلائے
جاتے ہیں۔ رسالہ دیدہ بیضا سندر آباد اسی مطیع میں چھپتا ہے۔ مالک مطیع
خلیق اور ہوشیار آدمی ہیں۔

اس کے بعد حکیم فرید الدین صاحب سے ملاقات ہوئی۔ یہ پڑانے آدمی ہیں
بلند شہر میں معزز سمجھے جاتے ہیں۔ ان کے ہاں سے فارغ ہو کر مولوی انوار حسین
صاحب بی۔ اے بکریل سے ملاقات کی۔ یہ صاحب نئے تعلیم یافتہ ہونے کے
باوجود بھی شعر و شاعری سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں۔ نہایت روشن خیال خلیق
اور ملنسار آدمی ہیں۔ ان سے مل کر جی خوش ہو گیا۔

نہت پرکھم سنگھ داس صاحب شاہ قیام شہری کچھ عرصہ پہلے ضلع مظفرنگر
میں مشہور سب انسپکٹ پولیس تھے۔ معلوم ہوا کہ آج کل ٹانگ میں پتوٹ
لگ جاسنے کی وجہ سے چل پھر نہیں سکتے۔ اس لئے میں اور آغا رفیق اور
نستی ضمیر الدین اشک ان کے مکان پر گئے۔ اور دیر تک شعر و شاعری کے

چہرے پر ہے ۰

لطیفہ میں جب بندہ مشہر کیا۔ تو انہیں دنوں کسی بندہ شہری نے سردار امرتسری کے مضمون تباہ کن کوئی مندرجہ اصلاح سخن پر کچھ اعتراض چھوڑا تھا۔ پنڈت پریم سکھ داس نے مجھ سے پوچھا کہ آپ نے اگرہ اخبار دیکھا ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ اس وقت ہم چار آدمی موجود تھے۔ اور شاو صاحب آغا رفیق سے واقف نہ تھے۔ انہوں نے یہ تکلف دریافت کیا۔ آپ جانتے ہیں۔ وہ مضمون کس نے لکھا ہے؟ میں نے کہا نہیں۔ فرمایا کہ صحت اُسی..... کا لکھا ہوا ہے۔ چونکہ آغا رفیق بھی موجود تھے۔ اس لئے میں نے فوراً دوسری بات شروع کر دی۔ بعد میں پنڈت صاحب کو اصل کیفیت معلوم ہوئی۔ تو بہت ہنسے اور فرمایا کہ ہم آغا رفیق سے واقف نہ تھے ۰

یہ لطیفہ اس وجہ سے لکھا گیا کہ دیگر احباب ایسے موقع پر احتیاط رکھیں۔ اور سوچ سمجھ کر گفتگو کیا کریں ۰

اگلے روز مولوی عبداللہ صاحب اھوئی امام جامع مسجد سے ہم سب لوگ مسجد میں جا کر ملے۔ انہوں نے تعلیم و تعلم کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا ہے۔ پرانی وضع کے بزرگ ہیں۔ رشتہ اشعار زیادہ لکھتے ہیں۔ اپنے مطبوعہ دیوان کی چند غزلیں لیکر صاحب سے (جو خوش الحان تھے) پڑھوا کر سنائیں۔ قابل زیارت بزرگ ہیں ۰ ان کے علاوہ سیٹھ دہا دیو پرثا صاحب رئیس بندہ مشہر صاحب شہر محمد سیلوان۔ مدرس تحصیلی سکول سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ سب صاحب خلوص و مہربانی سے پیش آئے۔ اسی روز صمیم صاحب کے ایک شاگرد پیغام لیکر آئے۔ کہ حضرت صمیم آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا چشم ما

روشن دل مانند مگر بعد میں یہ منشا معلوم ہوا کہ صمیم صاحب خود میرے پاس آنا نہیں چاہتے۔ بلکہ مجھے بلاتے ہیں۔ حضرات بلند شہر کی زبانی معلوم ہو چکا تھا کہ صمیم صاحب ایک بد شیخ اور خود پسند شاعر ہیں۔ اس لئے اس شرط کی پابندی قبول سمجھی گئی۔ *

میں بلند شہر میں منشی ضمیر الدین اشک کے ہاں مہماں رہا۔ مولانا غارنقین اور مولوی انوار حسین صاحب وکیل نے کئی مہماں نوازی میں حصہ لیا۔ اور تین دن بلند شہر میں اچھے لطف سے بسر ہوئے۔ *

منشی ضمیر الدین اشک اور مولانا غارنقین میں شاعرانہ رقابت پائی گئی۔ انکی اس ناچاقی نے میرے دل میں بھی چاقو مار دیا۔ حضرت اشک ایک موشگاف اور دانا وزیر ک آدمی ہیں۔ شاعروں میں ایسے بزرگ بہت کم ہوتے ہیں بلند شہر میں ان کی اچھی ابرو ہے۔ غارنقین صاحب خود کو اعلیٰ درجے کا غزلی داں ظاہر کرتے ہیں۔ مفسر کے غریب اخبارات کی نسبت مجھ سے ان کی زیادہ گفتگو رہی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ غارنقین صاحب کو غریب زبان میں بیڑ طوبی حاصل ہے۔ خدا کرے۔ وہ جیسا خود کو سمجھتے ہیں۔ حقیقت میں بھی ویسے ہی ہوں۔ میری عقل ناقص ان کی قابلیت کا صحیح اندازہ کرنے میں قاصر رہی۔ *

بلند شہر ایک چھوٹی سی مگر خوبصورت اور آباد بستی ہے۔ پہلے یہاں ریل نہیں تھی۔ مگر اب چند سال سے اودھ۔ روہیلکھنڈ ریلوے نے ایک شاخ نکال دی ہے۔ شہر سے مغربی جانب ایک باغ میں گھنٹہ گھر بنا ہوا ہے۔ اور اُس میں ملکہ معظمہ کا سیلچو (مجسمہ) نصب ہے۔ شام کے وقت اکثر جنٹلمین اس جگہ ہوا خوری کو آتے ہیں۔ روشول پرنسپس پڑی ہیں۔ اس شہر میں یہ خاصی

تفریح گاہ ہے۔

بلند شہر کی آبادی کا ایک حصہ کسی قدر بلندی پر واقع ہے۔ یہی غالباً اسکی وجہ تسمیہ ہے۔ میں بلند شہر کے اجباب سے بل کر بہت خوش ہوا۔ حضرت اشک نے نہایت کشادہ دلی اور خندہ پیشانی سے مجھے مہمان رکھا۔ میں ان کی عنایت کو ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ اسی طرح مولانا آغا رفیق اور مولوی انوار حسین صاحب وکیل اور پنڈت پریم سکھاس بھی شکر گزاری کے مستحق ہیں۔ نئی اُمت میں رحمت اللہ رحمت۔ مشتاق حسین ندیم عہد العزیز اثر کی تاثیر محبت بھی دل میں گھر کر گئی۔

علی گڑھ

۱۶۔ باج ۱۹۰۹ء کو بلند شہر سے روانہ ہو کر شام کے سات بجے علی گڑھ پہنچا۔ اور محلہ آتشبازاں میں محمد مظہر صاحب مظہر سب انسپکٹر پولیس کے ہاں مقیم ہوا۔ مظہر صاحب اصلاح سخن کے سچے بہی خواہ ہیں۔ ان کے پاس ایک دن ٹھہرنے کا ارادہ تھا۔ مگر ان کے اصرار نے پانچ دن تک ہلنے دیا۔ بابو منگل سین صاحب بیدل جھنجھانوی سپرنٹنڈنٹ جنگی علی گڑھ سے بھی ملاقات ہوئی۔ یہ تھا۔ ایسے پُنانے کرم فرما اور عفوان مشباب کے دوست ہیں۔ ہندو صاحبان میں ان سے زیادہ میرا گہرا تعلق آج تک کسی سے نہیں رہا۔ قسام ازل نے حسن سیرت کے علاوہ حسن صورت کا بھی خاص حصہ دیا ہے۔ انہوں نے میری دعوت کی۔ اور دکھانے کا انتظام اپنے ایک ساتھی مسلمان ملازم جنگی کے ہاں کیا۔ مگر میں ان کھانوں سے زیادہ خوشش نہیں ہوا۔ آخر میں نے بابو صاحب سے کہا۔ کہ جناب میں تو آپ کے ہاں ہندو لائی کھانا کھانا چاہتا

تھا۔ آپ نے اس تکلف سے میری اُمید کا خون کر دیا۔
 علی گڑھ سے ایک روز کے لئے تحصیل کبھی گیا۔ یہاں کی پولیس میں
 میرے مخدوم و محسن منشی الطاف حسین صاحب سب انسپکٹر مہتمم اسٹیشن
 ہیں۔ یہ صاحب تین سال تک قصبہ جھنجھانہ ضلع مظفرنگر میں بچہ دکاندار
 ممتاز ریکر ضلع علی گڑھ کو تبدیل ہو گئے تھے۔ اس چھ سال کے بعد ملاقات
 حاصل کرنے کا موقع ملا۔ آپ دھڑلے کے سب انسپکٹر ہیں جھنجھانہ میں
 خاکسار راقم کے حال پر ہمیشہ عنایت کی نظر رکھتی۔ آپ کے ماتحت سب انسپکٹر
 منشی مادی حسن بھی نہایت روشن خیال اور سنجیدہ پولیس افسر ہیں۔ میں ان کی
 خوش خلقی کا بدلہ شکر گزار ہوں خصوصاً جن الفاظ میں منشی الطاف حسین صاحب نے
 معزز اہلکاران پولیس تحصیل سے میرا تعارف کیا۔ میں ان کو ان کی محبت و بزرگی
 کا باعث سمجھتا ہوں۔ ورنہ من انم کم من دانم۔

میں یہاں صرف ایک شب ٹھہرا اگلے روز میں اور تھانہ دار صاحب کیلے میں
 سوار ہو کر علی گڑھ چلے آئے۔ شام کو بغرض اداسے نماز مغرب مجھے جامع مسجد
 میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وقت میں کچھ دیر تھی۔ اس لئے جوہل کے کنارے
 بیٹھ کر جنگلی کبوتروں کی سیر دیکھنے لگا۔ جو ادھر ادھر سے جوق جوق آکر جامع مسجد
 کے میناروں پر بیٹھتے تھے کچھ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ ایک دُبلے پلے منسل ہیں
 ہاتھ میں کاغذ منسل لئے مددوازہ سے آتے دکھائی دیئے اور صحن میں آکر ٹہلنے
 لگے۔ اب میری نظر کبوتروں کی طرف سے ہٹ کر اس شخص کی نقل و حرکت کو
 تاڑنے لگی۔ انہوں نے ایک مرتبہ مسجد کے گنبذوں پر دیر تک نگاہ ڈالے کئی
 انہریر سے پاس آکر پوچھا کہ جناب یہ گنبذ کھوس ہیں یا کھوکھلے؟ میں نے کہا

آپ بھی نہیں ہیں۔ گنبد بھی سامنے موجود ہیں۔ اندر جا کر دیکھ لیجئے۔ اطمینان ہو جائیگا جب وہ چلے گئے۔ تو مجھے خیال گذر کہ یہ شخص غالباً سعید احمد مارہروی ہے جو آخر قدیمہ اور تعمیرات دیرینہ پر مضمون لکھا کرتا ہے۔ واپس آنے پر میں نے اُن سے کہا کہ حضرت کیا آپ مارہرہ کے رہنے والے ہیں؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ ہاں۔ پھر پوچھا کیا آپ کا نام سعید احمد ہے؟ اس کا جواب بھی اثبات میں دیا۔ اور وہ متعجبانہ میری طرف دیکھنے لگے۔ میں نے کہا میں کئی روشنی ضمیمہ فقیر نہیں۔ آپ کی کتابیں اور مضامین دیکھنے سے خیال ہوا۔ کہ شاید آپ سعید احمد مارہروی ہیں۔ بابائنگل سین کے مکان پر منشی عبدالغفور صاحب ناولٹ ڈیوٹی شاپ علی گڑھ سے بھی ملاقات ہوئی۔ دونوں کی خوب گھنٹ ڈی ملی ہے۔ ناول تصنیف کرنے میں مشغول رہتے ہیں سہانپور مظفرنگر۔ بلند شہر سے گذر کر علی گڑھ میں اُردو زبان کا فرق معلوم ہوا یہاں کے باشندے گتیا کو گید اور دیا کو دیو بولتے ہیں۔ گو یا پور بنی اثر علی گڑھ سے شروع ہو جاتا ہے *

مارہرہ ضلع ایٹ

۲۱۔ مارچ ۱۹۰۹ء کو ۱۰ بجے کے قریب علی گڑھ اسٹیشن سے مارہرہ کا ٹھکٹ لیا۔ ہاتھس جنکشن سے ممبئی پر وہ اینڈسٹریل اٹڈیا ریلوے کی چھوٹی گاڑی ملی۔ اُس نے ڈھالی بجے کے قریب مارہرہ پہنچا دیا۔ اسٹیشن پر عزیز سید محمد احسن خلیفہ اکبر حضرت علی احسن صاحب اڈمٹر فیض الملک مع ملازم موجود تھے۔ اسٹیشن سے بیٹھے میں سوار ہو کر

شہر تک آئے برادر مکرم حضرت احسن مارہروی آرام کرسی پر منتظر بیٹھے تھے۔ جب میں پہنچا تو اٹھکر بغل گیر ہوئے۔ اور سب سے پہلے مجھے اُس خانقاہ میں لے گئے جہاں اُن کے بزرگ آسودہ ہیں۔ اور جن کی وجہ سے مارہرہ مارہرہ شریف کہلاتا ہے۔ آپ نے نام بنام ہر بزرگ کا مزار بتایا۔ اور اُس کے متعلق کچھ تاریخی کیفیت بھی بیان فرمائی۔ اس خانقاہ میں بہت سی ترتیبیں ہیں۔ کچھ جاگیر بھی وقف ہے جس کے ایک متولی و سجادہ نشین حضرت احسن مارہروی بھی ہیں۔ خانقاہ کی درستی و صفائی وغیرہ کے لئے ملازم مقرریں یہ خانقاہ حضرت احسن کے مکان سے بالکل قریب ہے۔ زیارت و فاتحہ سے فراغت پاکر ہم واپس چلے آئے۔ شمال کی طرف ایک بیٹھک میں سید افتخار عالم صاحب مارہروی کچھ لکھ پڑھ رہے تھے۔ چند منٹ کے بعد وہ بھی مجھ سے آکر ملے۔ اور مختلف معاملات پر پُر معنی گفتگو ہوتی رہی۔ خصوصاً مولوی حافظ نذیر احمد صاحب دہلوی کی نئی کتاب اُتہات الائمہ کا اُس وقت بہت چرچا تھا۔ میں ڈپٹی صاحب کے طرز بیان کو سُنو قیامت اور قابلِ اعتراض سمجھتا تھا۔ برادر مکرم حضرت احسن مارہروی بھی میرے ہنجیال تھے۔ مگر سید افتخار عالم صاحب ہمارے قول و خیال کی ترویج فرماتے رہے۔ اس کے بعد کتاب کے چند مضامین حضرت احسن نے با د از بلند پڑھ کر سنائے۔ اور مختلف جملے ایسے نکال کر دکھائے۔ جن میں ازواجِ مطہرات کے حفظ مراتب کا لحاظ نہیں کیا گیا۔ اگرچہ اس بحث کا کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ مگر فی نفسہ کالمہ نہایت دلچسپ تھا۔ سید افتخار عالم صاحب مولوی نذیر احمد سے جس عقیدہ سے رکھتے ہیں۔ بالکل موافق نذیر احمد قلم بند کرنے میں مصروف ہیں۔ انہوں نے ڈپٹی صاحب کی

نظیں بھی ایک جگہ جمع کر دی ہیں۔ اور اس کتاب کا نام مجموعہ نظم نے نظر رکھا ہے۔
 مارہرہ میں جس شخص کی ملاقات سے مجھے زیادہ خوشی ہوئی۔ وہ میر قطب الدین
 صاحب اشک جلیسری ہیں۔ میں جس وقت پہنچا۔ تو حسن اتفاق سے میر صاحب
 موصوف بھی مارہرہ موجود تھے۔ اور مکان کے قریب مسجد میں اللہ اللہ کہہ رہے
 تھے۔ حضرت آجس اُن کو مسجد سے اُٹھا کر لائے۔ اور مجھ سے ملاقات کرائی
 میر قطب الدین ایک کہن سال پیر مرد ہیں۔ چھوم و صلوٰۃ کے پابند اور باوقاات
 بزرگ ہیں۔ پیری مریدی کا سلسلہ بھی جاری کر رکھا ہے۔ انہوں نے استاد
 حضرت نواب فیض الملک داغ دہلوی مرحوم کی رفاقت میں زندگی کا بڑا حصہ
 بسر کیا۔ شاید ہمارے برادران خواجہ تاش میں ان سے زیادہ کسی کو استاد
 مرحوم کے پاس رہنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ یہ وہ میر قطب الدین ہیں۔ جن کی
 نسبت استاد مرحوم اپنی مثنوی فریادوں میں فرما گئے ہیں۔

میر سے ہمراہ میر قطب الدین اشک ریزاں سجا لیتے ٹنگیں

میر صاحب استاد مرحوم کی مجسم تاریخ ہیں۔ رامپور۔ کلکتہ۔ عظیم آباد۔ حیدر آباد
 دکن وغیرہ کے مشاعروں اور معرکوں کی کیفیت سنا کر ہمیں بے حد محظوظ کیا
 ہر روز شام کے پانچ بجے میں اور میر صاحب کا سنگ کی سڑک پر میل ڈیڑھ
 میل ہوا خواری کو جایا کرتے تھے۔ رستے میں استاد مرحوم ہی کا ذکر خیر رہتا
 تھا میر سے لئے اس سے زیادہ کیا دلچسپی ہو سکتی تھی۔ غرض مارہرہ میں یہ
 چار پانچ دن نہایت لطف سے گزرے۔

ایک روز کا ذکر ہے کہ ۹ بجے کے قریب حضرت احسن کی ڈاک آئی
 اُس میں ایک لفافہ سے حضرت ریاض کی تازہ غزل برآمد ہوئی۔ براہ کرم

حضرت احسن نے فرمایا۔ کہ لو آج اچھا مشغلہ مل گیا ہے۔ اس طرح پر تم بھی غزل کہو۔ میں بھی کہتا ہوں۔ میر صاحب بھی کہیں گے میں نے کہا۔ یہ ٹھیک نہیں۔ بعض کم مایہ اسی طبع آزمائی کو حضرت ریاض کا مقابلہ سمجھیں گے احسن صاحب نے کہا۔ میں تو صرف اس وجہ سے کہواتا ہوں۔ کہ تمہارے اور میر صاحب کے مابینہ آنے کی یادگار رہے۔ ورنہ جو خیال تم نے ظاہر کیا ہے۔ میں خود بھی اُسے محسوس کرتا ہوں۔ ہر عمل نیت پر منحصر ہے جب ہمارا یہ خیال نہیں۔ تو لوگوں کی بدگمانی کی پروا فصول ہے میں نے کہا اچھا کھانا کھانے کے بعد میراث شک پینل کا غذا۔ لے کر مسجد میں چلے گئے میں اور حضرت احسن قبیلہ کی غرض سے چوکیوں پر دما ز ہو گئے پینل کا غذا ہمارے پاس بھی تھا۔ سوتے جاگتے جو اشعار موزوں ہوئے۔ ظہر کی نماز کے بعد روشنائی سے صاف کر کے حضرت احسن کے حوالے کر دیئے۔ میر قطب الدین بھی غزل کہہ لائے۔ پھر شخص نے اپنے اپنے اشعار خود پڑھ کر سنائے۔ یہ گویا ایک چھوٹا سا مشاعرہ تھا۔ جو حضرت ریاض کی وجہ سے مارہرہ میں منعقد ہو گیا۔ یہ چاروں غزلیں اپریل کے فصیح الملک میں چھپ چکی ہیں۔ مگر تفتن طبع ناظرین کے لئے یہاں بھی درج کی جاتی ہیں اڈیٹر صاحب فصیح الملک نے غزلوں سے پہلے ایک طویل نوٹ میں حضرت ریاض کو خوب داد غزل دی ہے۔ اُس کے آخری فقرے جو مجھ سے متعلق ہیں یہ ہیں :-

جس وقت یہ غزل (حضرت ریاض کی غزل سے مراد ہے) ہمیں موصول ہوئی ہے۔ حسن اتفاق سے اُس روز ہمارے دو معزز مہمان بھی موجود

تھے۔ ایک کدی جناب اسکے جو استاد مرحوم کے قدیمی رفقاء میں۔ دوسرے
عزیز کرم جناب و چاہتے تھے چھانوی اڈیٹر اصلاح سخن لاہور ان کے شناسا
کی موجودگی میں اس غزل نے جو لطف و بار وہ بیان نہیں ہو سکتا۔ من و نام
واند دل من +

حضرت ریاض

یہ شرابِ ارغوانی جائیگی
کیا کسی کی بات مانی جائیگی
آئی ہے تو ہو گئے پانی جائیگی
یوں ہی عمر جا روانی جائیگی
اے خناتو بھی تو سانی جائیگی
اب بلائے آسانی جائیگی
کیونکر ان کی منت رانی جائیگی
رائیگاں یہ زندگانی جائیگی
اب حیا کی پاسبانی جائیگی
نرمی میں ہو کے پانی جائیگی
جان سے ابھی جوانی جائیگی
کس گلی کی خاک چھانی جائیگی
رات بھر کیا سرگرائی جائیگی
کیا سمجھتے تھے جوانی جائیگی

ڈھل چکی ہے اب جوانی جائیگی
ہو گی وہ دل میں جو ٹھانی جائیگی
آگ بن کر آئی کیا تیغ پر آب
حقروں ہی گم نہیں گئے عمر بھر
تیغ ہی کیا ہاتھ میں قاتل کے قہی
آئے تھے ہجر کی شب میں نظر
عرش پر ہے خوش جالوں کا مزاج
خدمتِ میخانہ کرے درہِ شیخ
شوخیاں کہتی ہیں کھل کھیلنے وہ
آگ نہک جام میں آئے گی مے
موت سے بادر بڑھایا آئیگا
بوئے سن کر دل کی پانی کا حال
بوئے گیسو سے ہیں جس بر جس
جان سے بڑھ کر اسے رکھنے عزیز

<p>میکدہ سے اب پُرانی جائیگی اب یہ طرزِ نغمہ خوانی جائیگی آج مرگیا ناگہانی جائیگی جاتے جاتے ناتوانی جائیگی خود کے دامن میں چھانی جائیگی</p>	<p>شیخ نے مانگی ہے اپنی عمر کی نالے کرنا سیکھتے ہیں عندلیب باجیکے میں اب کل دشمن کے گھر ساتھ لائے ہیں نفس سے ناتواں پینے آتے ہیں فرشتہ خور یا ضن</p>
---	--

چمناب اشکِ حلیمیری

<p>پہلے برسوں خاک چھانی جائیگی مفت خنجر کی روانی جائیگی ساتھ میرے کچھ نشانی جائیگی حشر میں کیا یہ کہانی جائیگی کیا بھی صورتِ ڈرانی جائیگی اب تو بیشک خاک چھانی جائیگی دیکھیں کب یہ میہمانی جائیگی پھر تو اُن کی لڑائی جائیگی اب نہی کیا اُن سے ٹھانی جائیگی گر خدا مانے تو مانی جائیگی خلق کے کردار نہ پانی جائیگی تو ہی خود کہہ دے کہ مانی جائیگی کچھ پیاسی کی زبانی جائیگی</p>	<p>اشکِ یوں کیا تیری مانی جائیگی سرخے جانوں کی نہ مانی جائیگی بدظنی یا بدگمانی ہو تری وہی نقطوں میں ادھر ہے یا دھر واعظ اس صورت پر غمِ غلہ و جو ڈھونڈتے ہیں ہم نشانِ دعا دل تو مہمانِ خیالِ یار ہے وہ دو باتیں رو رو موٹی کے ہرل میرے اُن کے روزِ اولِ ٹھن جی گر خدا اُسے تو سن لو گے میری کھل گئی ہے مایگی تیری عدم مجھ کو بھی خند ہے یہ کہو اگر ہرل کچھ حقیقتِ خط میں لکھ کر بھیجی</p>
--	--

<p>اک طرف کے ہو کے وہ گر بیٹھ جائیں دل لگی کو کھیل ہی سمجھے تھے انہیں</p>	<p>روز کی یہ کھینچا تانی جائیگی کیا جرتھی خاک پھانی جائیگی</p>
<p>حضرت احسن مارہروی</p>	
<p>آئے گی پیری جوانی جائیگی رائیگاں ساری کہانی جائیگی خلد میں تر دامنوں کے واسطے عرض وصل لے دل عبت کر لے آرزوئے خلد لے واعظ نہ چھوڑ تم رہو میری فغاں سے مطمئن ہجر میں اک دل ہی کیا چھائیگا مصلحت رنداں میں تو جب آئیگا گھر سے باہر جب قدم رکھو گے تم تم نہ پگھلو گے مگر آفت پر مری میں اگر پٹا تر سے در سے تو پھر خوش ہے اس آئند پر ہمارا ہجر تیری ٹھوکر کھوٹے گی میرا خار کیوں فرشتہ مان لیں توں گم ہم لطیف پامانی نہ ہا تھا آئیگا ہمیں عشق کی سہمہ صورت وہاں نہ تھی</p>	<p>کیا جوانی زندگانی جائیگی ایک بھی میری نہ مانی جائیگی آتش ترین کے پانی جائیگی یہ نہ مانی ہے نہ مانی جائیگی سیر ملک جاودانی جائیگی یہ ہوائی آسانی جائیگی سب بہار زندگانی جائیگی تیری عزت مستح فانی جائیگی ساتھ میری بر گمانی جائیگی آگ بھی لینے کو پانی جائیگی غیر کی بھی پاس سببانی جائیگی آئیں گے وہ ناتوانی جائیگی پاؤں پر کر سر گرانی جائیگی ماننے کی بات مانی جائیگی اس میں برسوں خاک چھانی جائیگی یہ نہ پہچانی نہ جانی جائیگی</p>

پھر نہ کہہ کر لڑائی جائیگی
یہ سُنانی منہ زبانی جائیگی
اب تو تیری فوج خوانی جائیگی

طور پر ہم ہیں نہ وہ ہیں عزیز
کیوں نکلیں ہم حالِ مرگ غیر نہیں
پائی احسن تو نے نہ مانگی مراد

وجاہت بھنجھانوی

خاک تک ہم سے نہ بھجھان جائیگی
اب نئی آئی پرانی جائیگی
ساتھ میرے یہ نشانی جائیگی
یہ خبر ان تک زبانی جائیگی
اب ہماری ناتوانی جائیگی
دیکھیے کب یہ گرانی جائیگی
جان ہم دینگے تو جانی جائیگی
ساتھ مر گیا ناگہانی جائیگی
دسے کے وہ چرکا جوانی جائیگی
خوب چادر سر پہ تانی جائیگی
اب تو میری بات مانی جائیگی
لذتِ دردِ بہانی جائیگی
دور تک میری کہانی جائیگی
ورنہ پھر کچھ اور ٹھکانی جائیگی
مذتوں میں بدگمانی جائیگی

بے نشان ہو کر جوانی جائیگی
موت سے یہ زندگانی جائیگی
دل پہ لے جاؤ گناہ کا داغِ عشق
وہ نہیں گئے حالِ میری موت
تیغِ باندھی ہے کمر سے یار نے
مہرِ الفت کا زمانے میں بکاں
قدر کیا جاتیں ابھی وہ عشق کی
موت کا ڈر ہے جہاں جائیں گے ہم
یاد جو ہم کو رہے گا جیتے جی
نہیں آئیں گے کفن میں چین سے
ہو گیا الفت میں اُنکی غیر حال
کیا نکالوں نوکِ مرثاں کا خیال
بے طرح رسوا ہوں عشق میں
مان لو کہتے ہیں اب مست ہے ہم
میں مہلاں ہوں تو کافر ہے وہ بُت

دیکھنے والا کوئی دیکھو گے جب جان ہے بس دم کی سچی جان	سب تمہاری لسنرانی جائیگی ساتھ راجا کے یہ رانی جائیگی رائیگاں یہ خوش بیانی جائیگی
---	--

مارہرہ شہر نیوں کی بستی ہے۔ سادات اور گمبہ یہاں کے معزز فرقے
ہیں۔ براور مکرم حضرت احسن کا خاندان عموماً واجب التحقیم سمجھا جاتا ہے۔ ان
کے بزرگ اب بھی بڑے پائے کے عالم فاضل ہیں۔ حضرت مولوی عبد الجلیل
اور مولوی نور عالم صاحب عربی و فارسی کے زبردست ادیب ہیں۔ میں سمجھتا
تھا۔ یہ بزرگ معمولی ملا ہیں۔ مگر جب ایک دن علم عروض کی بحث چھڑی
اور انہوں نے زحافات پر غیر معمولی روشنی ڈال کر بال کی کھال نکالی۔ تو
میں حیران و ششدر رہ گیا۔ مولانا عبد الجلیل فارسی زبان میں فکر فرماتے
ہیں۔ تباہ کج گوئی میں اچھی دستگاہ رکھتے ہیں۔ داغ مرحوم کی تواریخ وفات کے
علاوہ اور بہت سے قسطے اور تاریخیں مجھے سنائیں۔ اکثر ماؤ سے بالکل صادق
اور برجستہ اور ان کی کہنہ مشقی بردار تھے۔ یہاں کے خرد و سال بچوں کو بھی
میں نے نہایت مودب و مہذب پایا۔ یہاں پر اتنی تہذیب و شائستگی ایک
اچھی حالت میں ہے۔

سید جان عالم اور سید امیر حسین صاحب ولیہ بارہوی سے بھی ملاقات
ہوئی۔ مہذب و متین آدمی ہیں۔ حضرت احسن نے بوقت روانگی اپنا
قول و عنایت کیا۔ جو کسی وقت اصلاح سخن میں شایع کیا جائیگا۔

آگرہ

۲۶۔ مارچ کو ۹ بجے کے قریب میں اور میر قطب الدین صاحب اشک مارہرہ اسٹیشن سے سوار ہوئے۔ میر صاحب مارہرہ سے دوسرے اسٹیشن اکسولی پر اتر گئے۔ میں میدھا آگرہ چلا گیا۔ اور ۱۴ بجے آگرہ فورٹ اسٹیشن پر جاؤ۔ تارات کو سرا ۶ میں مقیم رہا۔ اگلے روز جب شاہ نظام الدین صاحب دلیگرے ملے گی تو انہوں نے میرا اسباب اپنے مکان پر منگالیا۔ مجھے روضہ تاج گنج کے دیکھنے کی مدت سے تمنا تھی۔ اگلے روز میں اور حضرت دلیگرہ و جناب ماہر اکبر آبادی سیر کو روانہ ہوئے۔ تاج گنج سے پہلے نظیر اکبر آبادی کے مزار کی زیارت کی۔ اور فاتحہ پڑھ کر اُگے بڑھے۔ تاج گنج کے سر ہنگ سینار اور عالی شان گنبد دنیا کی ناپائنداری کا ثبوت دے رہے تھے۔ ان ہر دو مقامات کے دیکھنے سے میرے ذہن میں جو خیالات پیدا ہوئے۔ وہ میں نے دلیگرہ صاحب کے مکان پر واپس آکر علیحدہ علیحدہ نظموں میں ظاہر کئے۔ پہلی نظم رسالہ زبان دہلی مطبوعہ ماہ مارچ میں بھی شائع ہو چکی ہے :-

برائے نام عدم کی بھی ایک بستی ہے
یہ وہ جگہ ہے جہاں یکسی بستی ہے
کسی کی زندگی ہے نہ کسی کی جستی ہے
کہ موت اس جگہ ہنگی ہے نیند سستی ہے
انہیں خبر نہیں ہوتی عجیب مستی ہے
سخن و دل کی یہاں کم سخن پرستی ہے

خدا کی شان ہے انسان کی فاک ہے
کیا ہے گریغریاں کا ہم نے نظارہ
سفید ہے کوئی تربت تو کوئی ہے خاک
اجل کا ڈر نہیں سوتے ہیں بے خطر ہو کر
بلا سے قبر پر گر کوئی ٹھو کریں مارے
تمام شہر خوشاں میں ہو کا ہے عالم

اجل فضل شکنجے میں ان کو کستی ہے
 وبے وہ خاک میں کیسی یہ آہ پستی ہے
 پڑے ہیں شہر سے کچھ دور اگرچہ پستی ہے
 یہ اہل شہر کی بین دلیل پستی ہے
 یہ کام چندہ سے کر لیں جو تنگ دستی ہے
 نظیر کی پس مردن یہ خاک ہستی ہے
 نگاہ دونوں کے دیدار کو ترستی ہے
 عجیب لوگ ہیں بے درد ساری دستی ہے
 غضب کے پاؤں کھانے میں تیز دستی ہے
 ملے گی خاک میں تربت کی اب جو ہستی ہے
 خدا کے فضل سے رحمت مگر ہستی ہے
 نہ بھوتا ہے نہ باقی کچھ اسکی دستی ہے
 اٹھائے ہاتھ یہ گویا فراخ دستی ہے
 یہ ان کی خاص اعانت گری دستی ہے
 بلا ہے اڑ کے یہ ناگن بھی کو دستی ہے

یہ لوگ پہلے ہی ہوتے ہیں جان سے بیزار
 ہوئی ہے جن کے کلام بلند کی شہرت
 نظیر شاعر بے مثل اکبر آبادی
 مگر مزار پر ان کے کوئی نہیں کتبہ
 لگائیں ان کے سرٹنے کوئی نشان ضرور
 غضب ہے قربہ جا کر بھی جب نہ معلوم
 یہیں نظیر کے بیٹے اسیر بھی ہیں وطن
 بُری طرح سے مزار اسیر ہے پامال
 انہوں نے رستہ بنایا ہے توڑ کر دیوار
 جو چند روز رہے گی سڑک یونہی جاری
 چراغ ہے نہ کوئی پھول انکی تربت پر
 کھڑا ہے نیم کا سوکھا سا اک درخت تیرا
 ثواب روح کو بخشا خلوص سے ہم نے
 جناب ماہر و دلگیر میرے ساتھ رہے
 کبھی اجل سے وجاہت کوئی بچا نہ بچے

تلج گنج

اب تو بس جینا مراد شمار ہے چند روزہ گرمی بازار ہے کیا کہوں یہ مشخ غم طوار ہے	زینت سے دل خود بخود بیز ہے سیر ہو کر دیکھ لی سیر جہاں مٹ گئے ہیں کیسے کیسے تاجدار
--	---

ایک برہمی سی جگر کے پار ہے
 اب جنوں میرے گلے کا لہر ہے
 روضہ رضواں ہے کیا گلزار ہے
 واہ واسو و دھار کی اک دھار ہے
 پوری تشبیہ قہر و لہار ہے
 پھول ہے گویا جوان میں خار ہے
 خوش واد خوش و ضح خوش رفا ہے
 یہ جواب گنبد دوار ہے
 سر برگ دول اس کا ہر تیار ہے
 پاؤں میں مفور کی دستار ہے
 یار کا آئینہ رخسار ہے
 آئے وہ جو طالب و بیدار ہے
 قیمتی ہے اس کی جو دیوار ہے
 ہر جگہ غیرت دو گلزار ہے
 یہ بڑی سرکار ہے دربار ہے
 لے زباں چپ ہوا دب و دکار ہے
 کس لئے یہ بے محل گفتار ہے
 کیسی غفلت دید و بیدار ہے
 باغ جنت کو بھی اس سے عار ہے
 یہ مقام اک مخزن اسرار ہے

دل شکن ہے بے ثباتی دہر کی
 کر دیا اس غم نے دیوانہ مجھے
 اگرے میں اُس کے دیکھا تاج گنج
 ہنس ہے خوب قواروں کا لطف
 سر دشاد و صنوبر سے یہاں
 گل بھی اپنی دُشمن میں بے قتل ہیں
 اک طرف بہتا ہے دریائے بحن
 دیکھ لو روضے کا گنبد دوار سے
 اوج و رفعت کی ہے یہ اونٹ لیل
 جب کوئی دیکھ نہ پکڑی گر پڑے
 سنگ مرمر کی چمک ہے دلپسند
 سنگ موسیٰ کی یہاں بھی یہ رمز
 دیکھ لو سنگ طلا و سنگ سُرُخ
 جا بجا ہیں بیل بوٹے خوشنما
 در پر ہیں آیات قرآنی رقم
 سوتے ہیں شاہ جہاں سلطان ہند
 ہند کی بیگم ہے خواب نازیں
 لوگ اس کو جانتے ہیں سیر گاہ
 ہم نے مانا ہے یہ روضہ برفضا
 چشم ظاہر ہیں کو دھوکا ہے فقط

وہ سمجھ جائیگا جو ہمشیار ہے
نیچے اوپر ایک ہی مینار ہے
اک تماشا قہر پُر انوار ہے
تاج کیا ہے گھر ہے یا بازار ہے
اب زیادہ گھٹکو بے کار ہے
سخت ہے ظالم جو تیر وار ہے
اس قدر کیوں در پیہ آزار ہے
ہے مگر زخمی تو دل افکار ہے
چپ ہو یہ پُرورد کیا گھٹا رہے

یہ تو ہے دنیا کی پستی کا نشان
غور سے پانی میں دیکھو کا کلس
باوشاہ ہند ہے بے رعب و داب
سب چلے آتے ہیں بے خوف و خطر
جوتے لے جاتے ہیں سب اہل زر و گم
اسے ٹلک دیکھیں تری نیزنگیاں
تا جدار ان جہاں ہیں ہوں ذلیل
چوٹ کھائی اُسکے بیٹھ بے تاج میں
ہیں جاہست ماہر و دلگیر ساتھ

میں نے آکر سہ میں ایک جلسے کا تماشا بھی دیکھا جو صاحبزادہ سعید الظفر خاں صاحب
ڈاکٹر کی کوٹھی پر منعقد ہوا تھا۔ نام نہاد اگرے کے چید چید و مسلمان شرفاء
و روساء جمع ہوئے۔ ایک اسلامی انجمن کے ممبروں میں کچھ ناچاقی تھی اُسکے
رفع کرنے اور کاروبار انجمن کو باقاعدہ چلانے کے لئے لوگوں کا اجتماع ہوا
تھا۔ مغرب سے کچھ پہلے کارروائی جلسہ شروع ہوئی۔ ابتدائے تین چار
اصحاب صدر جلسہ تجویز کئے گئے۔ مگر سب نے انکار کر دیا۔ آخر ایک مرج
پاک باطن کی صدارت سے مہر سکوت ٹوٹی۔ اور صاحبزادہ سعید الظفر خاں صاحب
نے کچھ زبانی کچھ تحریری مضمون حاضرین کو سنایا شاہ نظام الدین صاحب
دلگیر نے صاحبزادہ صاحب کی تقریر پر کچھ اعتراض کئے۔ ان کا پہلا
لطیف جملہ تھا کہ ہمارے صاحبزادے صاحب مگر پھر فوراً ہی سنبھلے۔ اور اُسکے
اُسے لفظ قبلہ بڑھا کر پورا جملہ اس طرح ادا کیا۔ ہمارے صاحبزادہ صاحب قبلہ نے

اس وقت جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ اگر سے کے ایک بوڑھے سوداگر نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا کہ شاہ نظام الدین آپ کا اعتراض صحیح نہیں میں تو صاحب صاحب کی تقریریں کران پر عاشق ہو گیا ہوں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس جلسے میں کام کی کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایک طرف چند میزوں پر ریفرشمنٹ کا سامان چٹا ہوا تھا۔ مگر میٹھنے کی کوئی چیز یعنی بیج یا کرسی وغیرہ نہ تھی۔ جلسہ برخاست ہونے کے بعد اصحاب اگرہ کھڑے کھڑے نواکھات پر ہاتھ مارنے لگے۔ عجب بے تکلفی کا سین تھا۔ میں احتیاط سفر کی وجہ سے اس خان بیجا میں حصہ لے نہ سکا۔

ایک روز اگرہ اخبار کا مطبع اور پریس دیکھا۔ خواجہ صدیق حسین و خواجہ تجمل حسین صاحب سے مل کر طبیعت خوش ہو گئی۔ پڑائے ٹھیکشن کے شریف ہیں +

میں اگرہ میں دیگر شعراء اہل فن سے نہیں مل سکا۔ وجہ یہ ہوئی کہ اگرہ میں لاہور سے اصلاح سخن کی ڈاک آگئی تھی مجھے اپریل نمبر کے لئے خود بھی مضمون لکھنا تھا۔ اور دیگر احباب کے مضامین کو ترتیب دینا تھا اس لئے سیر و تماشا چھوڑ کر اس کام میں زیادہ مصروف رہا۔ اگرہ اگرچہ پانچواں شہر ہے۔ مگر اس کے باشندوں کا زیادہ حصہ قصباتی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر نئی روشنی کا اثر کم ہوا ہے۔ سڑکوں اور بازاروں میں ایک گھوڑے کی تکیے رات دن گشت لگاتے پھرتے ہیں۔ یہ وقتیاؤسی سواری اب تک یہاں موقوف نہیں ہوئی۔ بازاروں میں پتھر کی چٹانوں کا فرش ہے۔ جب آدھارے کے لیے میں سوار ہو کر چلتا ہے۔ تو پیٹ میں خوب جامنیں سی اچھلتی ہیں

آگرہ کا ایک سین البتہ نہایت دلکش ہے۔ وہ یہ ہے کہ اسٹیشن آگرہ فورٹ شاہی قلعہ اور جامع مسجد کے درمیان بنا ہے۔ جب ریل اسٹیشن کے پاس پہنچتی ہے۔ تو قلعہ و مسجد کا قابل دید و پر عبرت نظارہ ہوتا ہے۔ یہاں کا شفا خانہ بھی بہت بڑا ہے سینٹ جان کالج اعلیٰ تعلیم گاہ کے علاوہ اور چھوٹے چھوٹے کئی سکول ہیں۔ ریل کے اسٹیشن بھی سات آٹھ ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہیں۔ آگرہ فورٹ۔ آگرہ روڈ۔ آگرہ عید گاہ۔ آگرہ چھاوٹی۔ آگرہ جیل۔ راجا کی منڈی۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے شہریت کی شان زیادہ نہیں پائی جاتی *

آخر میں شاہ نظام الدین صاحب دلگیر کی مہاں نوازی اور مولوی نسیم صادق علی صاحب پنشن تحصیلدار کی خوش خلقی کا شکریہ ادا ہوں۔ کہ ان حضرات میری عزت افزائی فرمائی۔ رسالہ اردو نمونہ خاں ہلی گارڈن سابق اوپٹر آگرہ پنج کی مہربانی بھی قابل تذکرہ ہے۔ کہ آپ میری آمد کی خبر سن کر دلگیر صاحب کے مکان پر مجھ سے ملنے آئے *

آگرہ سے ٹونڈلہ۔ دہلی بمبئی۔ اجمیر اور کانپور کو ریل جاتی ہے۔ مارہرہ سے آگرہ تک تیسرے درجے کا کرایہ ۱۴ روپے *

اجمیر شریف

۳۱۔ مارچ کو رات کے ۹ بجے آگرہ سے اجمیر کا ٹکٹ لیا۔ دو بجے کے قریب باندی کوئی اسٹیشن پر سب مسافر اتار دیئے گئے۔ اور کامل سات گھنٹے تک دوسری گاڑی کا انتظار کرنا پڑا۔ دن کے ۵ بجے باندی کوئی سے

دوسری گاڑی ملی شام سے کچھ پہلے جے پور کا اسٹیشن آیا۔ اگرچہ میرے پاس سیدھا اجیر کا ٹکٹ تھا۔ مگر سو میل پر ۲۴ گھنٹہ قیام کرنے کی رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ داور میں جے پور اتر پڑا۔ رات کو آگرہ سے چلتے وقت بعض خوش بو کھانے ملے۔ اس خوشبو سے فوراً نزلہ کی تحریک ہوئی۔ اور اب میری یہ کیفیت تھی کہ آواز بالکل بیٹھ گئی۔ خفیف سا بخار بھی ہو گیا۔ میں جے پور کے اسٹیشن پر اتر تو گیا۔ مگر جب طبیعت زیادہ مضحل دیکھی۔ تو شہر میں جانے کی ہمت نہ پڑی۔ اجیر جانے کے لئے اسی گاڑی میں پھر سوار ہو گیا۔ اور شام کے سات بجے اجیر جا پہنچا۔ یہاں مسافروں کا ڈاکٹری معاینہ ہوتا ہے۔ فوراً سے پہلے پولیس کے سپاہی مسافروں کو وجوں سے اتار کر برابر بکھڑا کرنے لگے۔ میں نے لامبو سے یہاں تک کسی اسٹیشن پر یہ تماشہ نہ دیکھا تھا۔ معلوم ہوتا تھا۔ کہ یہاں گورنمنٹ انگریزی کی عملداری نہیں۔ بلکہ کسی غیر حکومت کا عمل دخل ہے جو گورنمنٹ کی پالیسی کے خلاف طاعون کی روک تھام میں مصروف ہے۔ بہر حال ڈاکٹر صاحب آئے۔ اور ہر مسافر کا ٹکٹ و قبض دیکھنے لگے۔ بعض محذور المذاجوں کو علیحدہ کر لیا۔ میں اس وقت بالکل مریض تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا ٹکٹ و قبض دیکھ کر فرمایا کہ آپ کو بخار ہے۔ میں نے کہا۔ ہاں۔ مگر وہ شریف آدمی تھے۔ اس لئے بغیر کسی شرط کے مجھے باہر جانے کی اجازت دیدی۔ میں نے اپنا ٹر تک اور بستر قلی کو دیا۔ جب اسٹیشن سے باہر آیا۔ تو مقدس لیٹروں کی جماعت دکھائی دی۔ یہ حضرت خواجہ محمد الہین چشتیؒ کی درگاہ کے مجاور تھے۔ جو بلا کی طرح مسافروں کے پیچھے پڑے تھے۔

مجھ سے بھی ایک صاحب نے آگے بڑھ کر پوچھا کہ حضرت کہاں جائیے گا
میں نے کہا سراہ میں۔ پھر فرمایا۔ آپ درگاہ خواجہ صاحب کی زیارت
کریں گے۔ میں نے دریافت کیا۔ کون خواجہ صاحب؟ یہ خلافت اُمیہ
جواب سن کر مجاور صاحب بہت حیران ہوئے۔ اور پوچھنے لگے کہ آپ
کون ہیں ہمیں نے کہا۔ عیسائی ہوں۔ پھر مجھ سے کسی نے بات نہیں کی
میں اس وقت کوٹ پٹنوں پہننے ہوئے تھا۔ اس لئے ان لوگوں نے مجھ سے
قول کے مطابق مجھے بے چون و چرا عیسائی سمجھ لیا۔ یہ حال میں نہ ہو
سے کی۔ کہ میری آواز نہیں نکلتی تھی۔ ہر مجاور کو تمام رستے خواجہ و خواجہ
در دوسری تھی۔ اس طرح سستا چھوٹ گیا۔

شہر اسٹیشن سے قریب ہے۔ چند منٹ کے بعد سراہ میں پہنچ کر
اسباب اتارا۔ اور مغرب کی نماز پڑھ کر کالیہ محلہ پوچھتا ہوا بابو منٹوشی
لاتا پشاد صاحب شاد میرٹھی کے مکان پر پہنچا۔ ان کو پہچانے سے اپنی آمد
کی اطلاع نہیں دی تھی۔ اس لئے یہ اچانک مجھے دیکھ کر بہت متعجب
ہوئے۔ اور اطلاع نہ دینے کی شکایت کرنے لگے۔ پھر
پوچھا اسباب کہاں ہے۔ میں نے کہا۔ مسافر کے گھر یعنی سراہ میں۔ یہ
سن کر وہ اور بھی بگڑے۔ اور یہ کہتے ہوئے فوراً اپنے کمرے میں چلے
کہ آپ نے بڑا غضب کیا۔ چلتے پہلے وہ سراہ پہنچے تھا۔ اسباب
آ جانے کے بعد آپ آرام کر سکیں گے۔ مختصر شاد صاحب میرزا
سامان اپنے مکان پر لو لائے۔

شاد صاحب کون بزرگ ہیں۔ اور ان سے میرے تعلق کیا ہے۔

کیسے ہیں۔ اس کا اندازہ صرف اسی بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ میں اور وہ لاہور کے اکثر شاعروں میں غزلیں پڑھ چکے ہیں۔ ہر روز تو نہیں۔ البتہ دوسرے تیسرے دن میں اُن کے یا وہ میرے مکان پر گھنٹوں بیٹھے رہتے تھے۔ میری اُنکی بے تکلف دوستی کا اقتضا تو یہی تھا۔ کہ میں براہِ راست اُن کے گھر پہنچتا۔ مگر مکان کا پتا معلوم نہ تھا۔ مزدور کے سر پر اسباب اٹھو کر ہراک سے پوچھتے پھرنا کہ فلاں صاحب کا مکان کہاں ہے میرے نزدیک اچھا خاصا تاشا ہے۔ لوگ اسباب و مسافر پر گہری نظر ڈالتے ہیں۔ اور آپس میں ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں۔ یہ کون شخص ہے مزدور علیحدہ پریشان ہوتا ہے۔ بعض وقت صاحب خانہ ہی موجود نہیں ہوتے۔ اس لئے مع سامان اپنا سامنہ لیکر واپس آنا پڑتا ہے۔ حفظ ماتقدم کے خیال سے میں نے اس سفر میں کسی کے گھر ڈھٹی دینے سے پہلے سراء کا قیام مناسب تصور کیا۔

اگرچہ اجمیر پہنچنے کے دن میری طبیعت زیادہ ناساز تھی۔ مگر جب تھوڑی رات گئے شاد صاحب نے مجھ سے منشی رمضان علی صفا آخر سہارنپوری کے گھر چلنے کو کہا۔ تو میں بخوبی آمادہ ہو گیا۔ وجہ یہ تھی کہ آخر صاحب سے میری پُرانی شناسائی تھی۔ رُڑ کی ضلع سہارنپور میں مجھے اور انہیں مہینوں ایک جگہ نشست برخواست کا اتفاق رہ چکا تھا ایسے ہدم دیرینہ کی ملاقات سے جو خوشی حاصل ہونی چاہئے۔ اس کا اندازہ وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں۔ جن کو ایسا موقع پیش آچکا ہے الغرض میں اور جناب شاد و آخر صاحب کے مکان پر پہنچے۔ بعد رسم سلام و

مزاج پُرسی شاد صاحب نے میری طرف اشارہ کر کے جناب اختر سے کہا۔
 آپ نے ان کو پہچانا؟ اختر صاحب نے تھوڑی سی دیر کے بعد جواب
 دیا۔ کہ مجھے وچاہت صاحب کا شبہ ہوتا ہے۔ یہ طریقہ تعارف اپنی
 نوعیت کے لحاظ سے نہایت دلچسپ و پُر لطف تھا۔ میں اُن کے
 مکان میں کمر سے تکیہ لگا کر آرام و بے تکلف بیٹھ گیا۔ میری آواز
 بیٹھی ہوئی دیکھ کر اختر صاحب نے چائے تیار کرائی۔ اور بارہ بجے
 شب کو ہم مکان پر واپس چلے آئے۔

اگلے روز یعنی ۲۔ اپریل کو میری طبیعت زیادہ خراب ہو گئی۔ مگر خیر
 جس طرح ممکن ہو مکان میں شاد صاحب کے چھوٹے بھائی بابو ترینی پرشاد
 رنگ کو سناٹھ لے کر حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی درگاہ
 میں پہنچا۔ مجھے مدت سے زیارت کی تمنا تھی۔ الحمد للہ مدد عا بر آیا۔ پہلے
 متفرق چیزیں دیکھیں۔ یعنی ہر دو مساجد۔ لنگر خانہ۔ مجلس خانہ۔ شفا خانہ۔
 بھالا۔ دو بڑی مشہور دیکھیں۔ حضرت خواجہ صاحب کا روضہ۔ ان سب
 چیزوں کے دیکھنے میں زیادہ وقت صرف ہوا۔ خواجہ صاحب کے مزار
 میں جانے اور فاسخ پڑھنے کے لئے وقت کے علاوہ طبیعت کا
 بحال ہونا بھی میرے اصول کے مطابق ضروری تھا۔ اس وقت یہ دونوں
 باتیں مفقود تھیں۔ کیونکہ وقت تو اس وجہ سے نہیں رہا تھا۔ کہ گیارہ بج
 چکے تھے۔ طبیعت پہلے ہی سے بگڑی ہوئی تھی۔ اس لئے مزار میں داخل
 ہوئے بغیر واپس چلا آیا۔ مگر آج جمعہ کا دن تھا۔ میں نہادھو کپڑے بدل کر
 پھر خواجہ صاحب کی درگاہ میں گیا۔ اور میں نماز جمعہ ادا کی۔ اس مرتبہ

اندر جا کر مزار کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اور کچھ دیر قذالی منکر واپس چلا آیا
پھر شام تک کہیں نہیں گیا۔

اب شعراء کو میر ہے اجمیر آنے کی اطلاع ہو چکی تھی۔ اجاب کہ کم گتر
تشریف لاکر ملاقات سے محظوظ فرمانے لگے۔ شاد صاحب نے
میری آمد کی وجہ سے ایک مشاعرہ منعقد کروا چاہا تھا۔ اور نوٹس بھی تقسیم
کر دیئے تھے۔ مگر جب مجھے شعرا کے اجمیر کی ایک کینہہ شاعرانہ رقابت کا
حال معلوم ہوا۔ تو طبیعت ٹھٹھ کر رہ گئی۔ اس اجمال کی تفصیل یہ ہے
کہ میر سے ایک خواجه تاش منشی عاشق حسین صاحب سیالپور اکبر آبادی
اجمیر کے محکمہ ریل میں ملازم تھے۔ میں جس روز اجمیر پہنچا۔ اتفاق سے
وہ اسی دن چند روز کی رخصت لے کر آگرہ چلے گئے تھے۔ ان کے
جاسٹس کے بعد کسی بھلے تاش نے دفتر کے افسر سے کچھ شکایت کر دی
افسر نے حکم دیا کہ عاشق حسین کے واپس آنے پر معاملہ پیش کیا جائے
گویا نیا قصہ شعراء نے پیدا کیا جب کے روز گار کھونے اور تیلینا نے بھجوا دینے
کا سامان کیا تھا۔

فی الحقیقت یہ ایسی کینہہ کارروائی تھی کہ جس کی نظیر دنیا کے شاعری
میں موجود نہیں۔ مجھے اس واقعہ پر کمال افسوس ہوا۔ ایسی حالت میں
مشاعرے کا تماشہ کرنا فضول تھا۔ چنانچہ منشی رمضان علی صاحب اختر نے
بائی ہی کہا کہ اس قسم کے جیسے خوشی کے موقع پر اچھے ہوتے ہیں۔
اس لئے یہ مشاعرہ ملتوی رہا۔

۳۔ اپریل کو پیاری کی وجہ سے دن بھر ملنگ پر پڑا رہا۔

۴۔ اپریل کو اتوار تھا۔ مسٹر شاد تعطیل کی وجہ سے دفتر نہیں گئے تھے صبح کے سات بجے بابو بھیروں پر شاد صاحب سپرنٹنڈنٹ سائراجمیر نے آدمی بھیجا کہ میں اور شاد صاحب تیار ہو کر جنگلی بکے دفتر میں آجائیں۔ سپرنٹنڈنٹ صاحب کے پہلے بھی ملاقات ہو چکی تھی۔ میں اور شاد صاحب دفتر جنگلی میں گئے۔ وہاں دروازے کے سامنے بابو صاحب کی گنجی تیار کھڑی تھی۔ ہم تینوں آدمی اُس میں سوار ہو کر سیر کو چلے۔ بابو صاحب نے میوکلج اجمیر کی تمام عالیشان عمارتیں - تالاب - انا ساگر - رزیڈنٹ کی کوٹھی اور مختلف دفاتر دکھائے۔ دس بجے کے بعد مکان پر واپس آئے۔

کھانا کھانے کے بعد شاد صاحب نے شیخ ضیاء الحق آف ہاپوٹنشاہ پمناٹ نوپس کا تذکرہ کیا۔ اور کہا کہ وہ آجکل اجمیر آئے ہوئے ہیں۔ شام کو پانچ بجے کے قریب یہاں آئیں گے۔ ہم دوہر کو پڑ کر سو رہے۔ شام کو اُن کے انتظار میں بیٹھے رہے۔ جب پانچ بج چکے۔ تو ایک بنگالی سائمن شخص شاد صاحب کے مکان پر آکر بیٹھ گیا۔ میں سمجھا شاد کے کوئی مندر دوست ہوئے۔ شاد صاحب اس وقت زمانہ مکان میں گئے ہوئے تھے جب وہ واپس آئے۔ تو میں نے اُن سے کہا کہ شیخ ضیاء الحق حسبِ عہد نہ آئے۔ شاد صاحب نے اُسی بنگالی سائمن شخص کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ کیا بیٹھے ہیں۔ اس کے بعد میری اُن کی باقاعدہ ملاقات ہوئی۔ اور اگلے دن دوہر کو انہوں نے مجھے اپنے ہاں مدعو کر کے بلایا۔ شیخ صاحب تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے۔

رات کو ایک مسلمان شاعر صاحب کے ہاں میری دعوت تھی مجھے مضمل

سمجھ کر اپنے مکان پر نہیں بلایا۔ بلکہ وہ براہ عنایت کھانا شاد صاحب
 ہی کے ہاں لوالا لے کھانا کھانے کے بعد وہ صاحب کہیں سے
 ایک بوتل بھی لے آئے۔ یہ شراب کی بوتل تھی۔ انہوں نے مجھ سے کہا
 کہ حضرت شوق فرمائیے۔ میں حیران ہو کر ان کا منہ تکھنے لگا۔ انہوں نے
 شاد صاحب کے پوچھا یہ کیا بات ہے۔ شاد صاحب نے کہا۔ آپ کا خیال غلط ہے
 یہ اس قسم کے مشاغل سے کوسوں دور اور سخت شغور ہیں۔ وہ صاحب کچھ
 کھانے ہوئے۔ میں نے کہا کچھ مضائقہ نہیں۔ آپ اور شاد صاحب
 شوق سے شغل کریں۔ مجھے اس ذریعہ سے یہی معلومات ہوگی کہ اس کے
 پیٹنے پلانے کے طریقوں سے آگاہ ہو جاؤں گا۔ ایک کالیستہ اور مسلمان نے
 دو در شریعہ کیا۔ مسلمان صاحب کو رے سکوسے میں پیتے تھے۔ کالیستہ صاحب
 گلاس میں۔ یہ جو کچھ ہوتا تھا ہو گزرا۔ مگر مجھے اس بات کا افسوس رہا۔ کہ
 شاعر کے کیرکڑ کا اندازہ کرنے میں لوگ کیسی سخت غلطی کرتے ہیں۔
 میری طبیعت بدستور خراب ہے۔ دن کو چلنا پھرنا تکلیف سے خالی
 نہیں معلوم ہوتا۔ مگر احباب کی تعمیل ارشاد بھی اخلاقی فرض ہے۔ آج
 ۵۔ اپریل کو صبح کے ۹ بجے شیخ ضیاء الحق صاحب کا آدمی مجھے بلانے
 آیا۔ میں اس کے ساتھ محلہ عید گاہ میں ان کے مکان پر گیا۔ کالیستہ محلہ
 سے اس جگہ کو میل ڈیڑھ میل کا فاصلہ ہو گا۔ شیخ ضیاء الحق صاحب سے
 خوب باتیں ہوئیں۔ میں نے ان کے اجیر آنے کی غرض پوچھی انہوں نے
 کہا۔ اخبار جاری کرنے کا ارادہ ہے۔ میں نے کہا حضرت میدان تو اچھا تاکا
 ہے۔ مگر پھر ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ کمشنر نے اخبار جاری کرنے کی

اجازت نہیں دی۔ واقعی بات یہ ہے کہ اجپیر کی پتھر ملی زمین ایسے پودوں کی نشوونما کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ نئے شیخ صاحب کو صلاح دی کہ اگر اخبار نویسی کا ارادہ ہے۔ تو لاہور تشریف لے جائیے۔ چنانچہ انہوں نے میری رائے سے اتفاق کیا۔ اور لاہور جا کر جون ۱۹۷۷ء سے ایک روزانہ پرچہ پیشوا نام سے جاری کر دیا۔ جو دو ہفتے چل کر رہ گیا۔ دوپہر کو میں نے وہیں آرام کیا۔ شام کو میں اور شیخ صاحب اجپیر کی پبلک لائبریری میں جا کر دیر تک اردو انگریزی اخبارات دیکھتے رہے۔ شیخ صاحب بڑے حوصلہ و ہمت کے آدمی ہیں۔ میں ان سے نیاز حاصل کر کے بے انتہا مسرور ہوا شیخ صاحب نے مجھے اپنا فوٹو بھی عنایت کیا۔ دو دن تک میری طبیعت زیادہ خراب رہی۔ میں کسی شخص کے گھر نہیں گیا۔ البتہ احباب اجپیر وقتاً فوقتاً تشریف لاتے رہے۔ میں نے غذا میں سخت احتیاط کی اور چاء کا زیادہ استعمال رکھا۔ خدا کا کہ بیماری کا زور کم ہوا۔ ۸-۱۰ اپریل جمعرات کا دن خواجہ صاحب کی درگاہ کے لئے وقف کیا۔ میں صبح سے گیارہ بجے تک درگاہ اور ڈھائی دن کے چھوٹے میں ما دوپہر کو مکان پر واپس آکر سو گیا۔ اور شام کو چار بجے کے بعد پھر درگاہ میں جا در آمد ہوا۔ رات کے دس بجے تک وہیں قیام کیا۔ قیام بھی خوب سنی۔ اگلے روز پھر جمعہ تھا۔ یہ گویا درگاہ میں میری حاضری آخری دن تھا۔ صبح کو میں نے غسل کیا۔ اور کھانا کھانے کے لئے شیخ ضیاء الحق صاحب کے ہاں گیا۔ انہوں نے آج دوسری مرتبہ دعوت کی تھی۔ اُن کے گھر سے میں اور اُن کا آدمی سیدھے درگاہ کی مسجد میں جمعہ کی نماز پڑھنے

آئے۔ بعد نماز حسب معمول مزار خواجہ پرفا تمہ پڑھی۔ مولوی محمد حسین الہ آبادی
مزار مبارک دیکھا۔ تو آلی سخی۔ اور درگاہ کے در و دیوار پر آخری نگاہ ڈال کر
واپس آیا۔ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ کو خواجہ خواجگاں، غریب نواز۔
سلطان الہند بھی کہتے ہیں۔ آخری خطاب کی نسبت میں اپنے مشاہد کی
بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ حضرت خواجہ کی درگاہ میں غیر معمولی رعب جلال کے آثار
پائے جاتے ہیں۔ انسان کا دل کم و بیش ضرور متاثر ہوتا ہے بعض قیق القلب
رونے بھی لگتے ہیں۔ غرض عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے۔ ایک حلیل لفظ شہنشاہ
کی حضور کی کا سماں کھینچ جاتا ہے۔ مزار مبارک کی پائنتی تھوڑی سی جگہ کھڑے
سے خالی ہے۔ یہاں ایک مجاور صندل لے بیٹھے رہتے ہیں۔ زائرین اس جگہ
مہر جکاتے ہیں۔ بوسے دیتے ہیں۔ اور بعض جو شش عقیدت میں سجدہ کرنے
سے بھی نہیں بچ سکتے۔ اہل شریعت اس کو شرک قرار دیتے ہیں۔ میں نے
صرف فاطمہ پڑھی اور کچھ دیر قیام کر کے باہر چلا آیا۔ صندل بطور تبرک تقسیم کیا
جاتا ہے۔ اس کے معاوضے میں مجاوروں کو بہت کچھ مل رہتا ہے۔ مجاور
صاحب نے مجھ سے بھی کچھ لینے کی خواہش کی۔ میں نے کہا ابھی۔ یہ
سلطان الہند کی درگاہ ہے۔ میں یہاں سے کچھ لینے آیا ہوں۔ دینے
نہیں آیا۔

جمعات کی شام کو اور جمعہ کی نماز کے بعد درگاہ میں توالی ہوتی ہے۔
یہاں کے توآل صرف ڈھولک ستار سے کام لیتے ہیں۔ ساز بھی نہیں
بجاتے۔ خواجہ صاحب کے مزار اور دیگر عمارت خانقاہ پر لاکھوں روپیہ
صرف ہوا ہے۔ اب ابھی یہاں کے اخراجات کا شاہانہ انداز ہے ہر روز

جڑ کا دلیا لنگر کے طور پر تقسیم ہوتا ہے چوبدار عصا برادر۔ سفید و مہذب لباس
زیب تن کئے۔ سنہرے۔ ٹوپے لہجہ میں لے رہتے ہیں۔ ان لوگوں کو
دیکھ کر شاہی زمانہ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے +

خانقاہ میں جمعہ کی نماز بھی شاہانہ شان سے ادا ہوتی ہے۔ اذان سے
لیکر سلام پھیرنے یعنی ختم نماز تک متعدد گولے چلتے ہیں +

یہاں کے مجاوروں کا طریق عمل سخت ناپسندیدہ ہے۔ یہ لوگ ہلاکِ طرح
مسافر کے سر ہوتے ہیں۔ اور اُسے بالکل ٹوٹ لینا چاہتے ہیں۔ ایسی
عالی شان سرکار میں ایسے کینہ خضایل خدام کا کیا کام۔ عقیدت پسند بے طلب
بھی ان کی خدمت کرتے ہیں۔ ناوہند مانگنے سے بھی نہیں دیتے پھر یہ لوگ
مفت کیوں بدنام ہوتے ہیں۔ شاہ مجاوروں کی چالاکیوں کے سبب
اجیر کے ریلوے سٹیشن پر پیٹ فارم کا ٹکٹ ملنا بھی موقوف ہو گیا۔ یہ لوگ
دو دو پیسے کے چند ٹکٹ لے کر پیٹ فارم پر چلے جا کر تھکے۔ اور
باہر سے آنے والے مسافروں کو ان کے ذریعہ اسٹیشن سے نکال
لا تے تھے۔ میں نے خواجہ صاحب کی شان میں چند شعر لکھے غرض شاہ
اس کے سوا اور کیا نذر کرتا ۵

تہیں ہو ہندوستان کے سرور غریب پر درخشہ خواجہ
غریب و بکیں ہوں میں سرا سر کرم ہو مجھ پر خشہ خواجہ
شریف ہوں میں غریب ہوں میں مگر عجیب بلیب ہوں
شکستہ پر غنڈ لیب ہوں میں چمن میں مضطر حضور خواجہ
مجھے تو ہے سرا مہارا نگاہِ الطاف ہو خدا را

پھر دل نہ یوں اب تو مارا مارا بحال ابستر حضور خواجہ
 بنائے گروں نے حال کیا کیا دکھائے رنج و ملال کیا کیا
 کیا مجھے پائل کیا کیا دیئے ہیں چکر حضور خواجہ
 غضب کا ہے چار سواں دھیرا عجیب ظلمت بھگا گھیرا
 کہیں ٹھکانا نہیں ہے میرا جہاں کے اندر حضور خواجہ
 ہمارے پشت و پناہ تم ہو کہ منہ کے بادشاہ تم ہو
 بجائے ظل اکہ تم ہو ہمارے سر پر حضور خواجہ
 خدا کے بندے خدا کے پیارے بڑی مصیبت میں آکر
 سوا تمہارے کسے بچائے یہ زار و مضطرب حضور خواجہ
 تمام عالم میں پھر کچھ اگر تمہارے در پر پڑا ہوں آکر
 اٹھو نگا اب تو مراد پا کر یہ در ہے یہ سر حضور خواجہ
 عجب یہ در بار ضروری ہے یہاں کسے کی کیا کمی ہے
 مرے لئے ویر کیوں لگی ہے غریب پرور حضور خواجہ
 ہزار ولیوں کے اکٹ لی ہو۔ تم آل پیغمبر و علی ہو
 بڑے دھنی ہو بڑے بلی ہو مثال حیدر حضور خواجہ
 معین دنیا معین دیں ہو کہ تائب ختم مرسلین ہو
 تمہیں ہو سر کار بس تمہیں ہو خدا کے منظر حضور خواجہ
 ہوا ہوں بیزار زندگی سے گزرنے والا ہوں اپنے جی
 یہ راز سر بستہ میں کس کی کہوں تو کیونکر حضور خواجہ
 دیا ہے آزار آسمان نے نہ چین لینے دیا جہاں نے

غرض ہر اک یار و مہرباں نے چلائے تھے خیرِ حق و خواجہ
 تہااری سرکار ہے وہ عالی گمان کوئی یہاں سے خالی
 بس اپنے دل کی مراد پالی بھی لے کر حضورِ خواجہ
 اُٹھائی ہے ہر جگہ مصیبت تہا سے در پر ملی ہے رست
 بتاؤ جائے کہاں وجاہت یہاں اٹھ کر حضورِ خواجہ

نواب محمد مہس علی خاں صاحب عاشق رئیس اعظم اجمیر شریف سے ملاقات ہوئی
 نواب صاحب نہایت خلیق و جوان صالح ہیں۔ آپ حضرت داغ و مولانا طہیر
 دہلوی کے شاگرد ہیں۔ دیوان چمپ چکا ہے۔ اس کی ایک جلد مع دو تصاویر
 مجھے بھی عنایت فرمائی +

منشی رمضان علی صاحب اختر سہانپوری انہیں نواب نامدار کے کامدار
 ہیں۔ ان کے یعنی اختر صاحب کے ہاں تفریح طبع اور دل بہلاؤ کا اچھا سامان
 رہتا ہے۔ ہارمونیم۔ جلد۔ ارباب نشاط غرض زندہ ولی کی سب باتیں موجود ہیں
 خصوصاً ایک پرانے بیت باز میاں فیضی صاحب دل لگی کا اچھا ذریعہ ہیں
 اجمیر میں منشی رمضان علی صاحب۔ اختر منشی محمد وزیر صاحب بصر کلرک
 اوٹ آفس و منشی محمد ایوب صاحب باغ اور بابو بھیروں پرشا و صاحب
 سپرنٹنڈنٹ چنگی نے خوب جہاں نوازی کی۔ میں ان جملہ حضرات کی مہربانی کو
 ہمیشہ یاد رکھوں گا منشی لقا پرشا و صاحب ثنا و میرٹھی نے باوجود دینہ ہوتے
 کے میری تواضع و مدارات میں جو خاص اہتمام و تکلف کیا۔ اس کا نقش
 میرے دل سے کبھی نہیں مٹ سکتا حکیم بہاء الدین خاں صاحب بہار
 حکیم رام نرائن صاحب جہان دیوئی اور میاں قاتل لکھنوی سے بھی ملاقات

ہوئی شیخ محمد علی صاحب میرا حدی بھی مجھے عرصہ تک یاد رہیں گے۔ یہ صاحب جب میرے پاس آتے تھے۔ تو اٹھنے کا نام نہ لیتے تھے۔ اس لئے میں ان کو میری عہدی کہا کرتا تھا۔ اگر وہ سے اجیر کا کرایہ چاہے۔ یہاں بکھو بہت ہوتے ہیں۔ پانی گدلا جس پر سفید گلاس میں کھانڈ کے شربت کا شہہ گزرتا ہے۔

جو دھپور

۱۲۔ اپریل ۱۹۶۹ء دو شنبہ کے دن رات کے ۹ بجے اجیر سے روانہ ہوا۔ راستے میں مارواڑ جنکشن پر گاڑی بدلتی پڑی۔ قریطینہ کا جھگڑا یہاں بھی تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا ٹکٹ ونبض دیکھ کر پوچھا کہ آپ اجیر میں کہاں سے آئے تھے۔ میں نے کہا اگر وہ سے۔ پھر پوچھا جو دھپور کتنے روز قیام ہوگا۔ میں نے جواب دیا ایک ہفتہ۔ یہ سن کر میرا ٹکٹ واپس دے دیا مارواڑ جنکشن پر ۱۲ بجے رات کے پہنچا۔ تین گھنٹے مسافر خانے میں گزارے چار بجے جو دھپور ریلوے اسٹیشن میں سوار ہوا۔ اور ۹ بجے دن کے جو دھپور جا پہنچا۔ فیاض صاحب فاروقی کو پیر کے روز پہنچنے کی اطلاع دی تھی۔ سب منگل تھا۔ اور اس وقت جو دھپور میں صبح کی کچھری ہوتی تھی۔ فیاض صاحب کے اسٹیشن پر آنے کی کوئی امید نہ تھی۔ چنانچہ میں اُترا۔ تو انہیں موجود نہ پایا۔ مسافر ٹکٹ دے کر پھانک سے گزرنے لگے۔ یہاں بھی طاعون کی جانچ پڑتال ہوتی تھی۔ میری طبیعت قدرے ناساز تھی۔ جب میں نے ٹکٹ دکھایا تو ڈاکٹر نے مجھے مریض مسافروں میں کھڑا کر دیا۔ جب سب مسافر نکل گئے۔ تو مریض مسافروں کی باری آئی

اسی اثنا میں منشی فیاض احمد صاحب فاروقی اور منشی رحیم بخش صاحب محافظ دفتر
فوجداری بھی اسٹیشن پر آ گئے۔ ڈاکٹر صاحب نے میرا نام لکھ کر ہدایت کی۔ کہ
تین روز تک شفا خانے آکر نبض دکھا جا یا کرو (میں صرف ایک دن گیا) آگے
چنگی والوں نے روک لیا۔ ٹرنک کھلو کر دیکھا۔ لاہور سے یہاں تک یہ پہلا
موقع تھا۔ کہ میرا اسباب کھلو کر دیکھا گیا۔ میں نے خیال کیا کہ یہ ریاست کا
معاملہ ہے۔ یہاں کے اہلکار تھوڑی پونجی کی وجہ سے زیادہ جو کسی کرتے
ہیں اسٹیشن کے احاطہ سے باہر نکل کر اسباب قلعی کے سر پر رکھوایا۔ اور میں
بہر اسی منشی فیاض احمد صاحب و منشی رحیم بخش شہر کی طرف روانہ ہوا۔ فیاض صاحب
کا مکان اسٹیشن سے زیادہ دور نہیں۔ اس لئے ہم سب جلد پہنچ گئے۔
میرے آنے کی خبر سن کر تھوڑی دیر کے بعد مولوی محمد عبادی صاحب
بیخود و بدایونی پیشیل مجسٹریٹ ریاست جو دھپور کچہری سے سیدھے فیاض
صاحب کے مکان پر آکر مجھ سے ملے۔ گرمی کا وقت تھا۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر
دولت خانہ کو تشریف لے گئے۔

منشی فیاض احمد صاحب فیاض فاروقی میرے ہم وطن ہیں۔ ان کا
مکان بھی جھانہ سے دو کوس جانب شرق موضع پٹرانہ میں ہے۔ فیاض صاحب
نے جھانہ میں تعلیم پائی۔ گو میں اور وہ ہم سبق نہیں رہے۔ مگر ملاقات کا
سلسلہ مدت سے ہے یعنی اُس وقت سے کہ فیاض صاحب کو مضبوط
نوبی اور شعر گوئی کا بھی شوق نہ تھا۔ اگرچہ فیاض صاحب میرے رشتہ دار
نہیں۔ مگر میرے ان کے تعلقات رشتہ داروں سے زیادہ گہرے ہیں
یہ پہلا موقع تھا۔ کہ میں جو دھپور میں ان کے ہاں مقیم ہوا۔ فیاض صاحب کا

مکان گزرگاہ ہے۔ اکثر اہلکار انہیں کے ہاں ٹھہرتے ہیں۔ دوپہر کے بعد لوگوں کی آمد شروع ہوئی۔ رات کے گیارہ بجے تک اچھا جمع رہا۔ کئی روز کے تجربہ سے معلوم ہوا کہ فیاض صاحب کامکان اہل محلہ دیگر اجاب کی نشست گاہ ہے۔ حضرت مولانا مولوی محمد عبدالحی صاحب بیجو و اور منشی فیاض احمد صاحب فاروقی صرف یہ دو صاحب جو صہبہور میں رہتے تھے۔ جن کی ہم بڑی سے جی نہ گھبراتا تھا مغرب کے بعد میں اور فیاض صاحب مولانا بیجو و کے دوست پر پلے جاتے یا ہم کسی وجہ سے نہ جا سکتے۔ تو مولانا خود شریعت لے آتے شہر و سخن کے خوب چرچے رہتے تھے۔ ایک روز اتوار کے دن مولوی بیجو و صاحب کے فرزند اکبر رضا حسین صاحب نے مجھ سے کہا کہ یہاں مسلمانوں کی ایک انجمن بنام اصلاح المسلمین قائم ہے۔ اس کے متعلق ایک کتب ہے۔ آج شام کو سات بجے اس کا جلسہ ہونے والا ہے۔ اگر ممکن ہو سکے تو آپ بھی کچھ لکھتے ہیں نے کہا ٹھیک وعدہ تو نہیں کرتا۔ اگر ہو سکا تو کچھ لکھ لوں گا۔ کسی قدر فکر کرنے سے مندرجہ ذیل اشعار موزوں ہو گئے۔

دیکھے قدم قدم یہ یہاں راہ میں پہاڑ
والی جدھر نگاہ دکھائی دیا اُجاڑ
البتہ کھینچ لیتے ہیں دامن بچڑ کے جھاڑ
لیکن یہاں کھجور ہے کوئی نہ کوئی ٹاڑ
ہر اک بڑی طرح سے رہا ہے انہیں تیار
سفٹی سے بند ہیں درتقدیر کے کوڑ
غفلت سے انہی آنکھوں کے گلے گھاڑ

پنجاب کی طرف سے میں آیا ہوں مارواڑ
مجھ کو نظر نہ آئی تری تازگی کہیں
جنگل میں بھی یہاں کے نہیں کوئی دکنی
قشیہ بیٹے اس کو زمین عرب سے ہم
آبادو خیر سے ہیں مسلمان بھی۔ مگر
کھلنا نہیں ہے ان کا مقدہ ہزار حیف
نہ خانے میں گزارتے ہیں اپنی زندگی

بے طرح کھا کے گر گئے میدان میں بچھاڑ
 دلی میں جھونکتے ہیں بار بار برس سے بھاڑ
 ہاں اس کو اودھاڑنے والے گئے ہیں
 ٹلنا نہیں ہے اپنی جگہ سے کبھی پہاڑ
 کرتے ہیں خوب جامہ ہستی کی چیر بھاڑ
 افسوس ہے بناؤ کو سمجھے ہیں یہ بگاڑ
 میدان میں علم و فضل کے جھنڈے ہیں بگاڑ
 شدہ زور جو ہے دے گا وہ کم زور کو بھاڑ
 اب تیلیوں کو توڑ پھونک کر پروں کو بھاڑ
 بس تیری کاہلی نے لگا رکھی ہے یہ آرٹ
 کوشش سے کاٹ ڈالتا ہے دلی پہاڑ
 ہم جانتے ہیں غیر علاقہ ہے مار والہ
 تو اس میں دوسروں کا ہے کیا سرچ کیا بگاڑ
 اچھی نہیں ہے ان سے وجاہت یہ چھپر بھاڑ

کم زور ہیں یہاں کے مسلمان ضعیف ہیں
 اب تک فضول وقت گزار رہی کام ہیں
 اصلاً نہیں زمانے کی رفتار پر نظر
 یہ اپنے ہاتھ پاؤں ہلاتے نہیں ذرا
 دامن زندگی کی اڑاتے ہیں دھچکات
 تعلیم سے ہے انکو مفر غضب غضب
 ہر قوم اب ہے راہ ترقی میں تیز گام
 رائد کاہلی کا زمانہ نہیں ہے اب
 کب تک ہے گا طائر دل تو نفس میں بند
 ہستی ہے کیا نفس کی تو بہت سے کام لے
 بے ہمتی و بے خبری کا نہیں یہ وقت
 ہم مانتے ہیں اور حکومت ہے اس جگہ
 لیکن اگر ہم اپنی مدد آپ کر سکیں
 افسوس ہے یہ اگلے زمانے کے لوگ ہیں

یہ نظم جو دھپور میں عوام پسند کی گئی۔ رضا حسین صاحب نے اس کے چند
 اشعار پر تضحیں بھی لکھی تھی *

میرا ارادہ جو دھپور میں ایک ہفتہ ٹھہرنے کا تھا۔ مگر فیاض صاحب نے
 مجھے مین ہفتہ تک نہ ملنے دیا۔ جب چلنے کی تیاری کی جاتی فیاض صاحب
 دور و زار ٹھہرا لیتے۔ کئی مرتبہ ایسا ہی اتفاق ہوا۔ ادھر محمد وحی مولانا نیر خور
 کی بذلہ سنجی اور لطیفہ گوئی و سخن آرائی نے دل کو مسخر کر لیا۔ ان کے پاس

بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہیں چاہتا تھا۔ آپ نے شعر و سخن کے متعلق عجیب و غریب لطیفہ
 سنائے۔ نقطن طبع ناظرین کے لئے ایک لطیفہ یہاں بھی درج کیا جاتا ہے۔
 لطیفہ۔ مولانا فراتے تھے۔ کہ جب حضور پر سرفراز و بزر جو دھپور تشریف
 لائے۔ تو کوئی بے مغز شاعر ایک قصیدہ کہہ کر لایا۔ اس کا مطلع تھا۔
 ہوا و خول جو شہزادہ جو دھپور کیجی خوشی تھی ہے ہمارے سری حضور کے بیچ
 مولانا کو صرف مطلع ہی یاد تھا۔ باقی اشعار کا بھی اسی پر اندازہ ہو سکتا ہے۔ راج
 کی طرف سے اس قصیدے کے صلے میں شاعر صاحب کو صے دیئے گئے۔
 فیاض صاحب کی زبانی ایک عجیب قصہ معلوم ہوا۔ وہ یہ کہ شہنشاہِ ہند
 مہاراجہ کے موقع پر دہلی اور پنجاب کے بعض اخبار نویسوں نے ریاست کو
 لکھا کہ ہم ریاست کے ہی خواہ ہیں۔ اس مبارک تقریب پر ہمارا مدعو ہونا ضروری
 ہے۔ پنڈت سکھ دیو پرشاد صاحب سینئر ممبر ریاست نے ان کی اس انوکھی
 درخواست پر لکھ دیا۔ کہ آپ شوق سے آئیے۔ چنانچہ بعض اڈیٹر صاحبان
 بے تکلف جو دھپور آدھکے ریاست نے ان کی رسد وغیرہ کا انتظام
 کر دیا۔ اور آخر میں ان کو سوکھا ہی ٹاننا چاہا۔ اس پراڈیٹر صاحب
 سٹ پٹائے۔ اور نہایت شوخ چستی سے دست سوال دراز کیا۔
 پنڈت سکھ دیو پرشاد صاحب نے کہا کہ آپ ریاست کے مہاں
 ہو کر آئے ہیں۔ اگر آپ اپنے کسی مہان کو کچھٹیت میزبان کچھ دیتے
 ہوں۔ تو ایسا کرنے میں میں بھی عذر نہیں۔ آخر بڑی جدوجہد کے بعد
 یہ خوش غلاف گداگر کچھ دے دلا کر رخصت کئے گئے۔ اس واقعہ
 سے یہ بات ثابت ہوتی ہے۔ کہ ہندوستانی اخبار نویسوں کی حالت

بہت کچھ محتاج اصلاح ہے۔ بعض کم مایہ اڈیٹروں نے اس معزز فن کو بُری طرح بدنام کر رکھا ہے۔

مولانا یحیٰ و استاد داغ مرحوم کے پرانے اور کہنے مشفق شاگرد ہیں۔۔ جملہ خانہ ساز جانشینان داغ سے آپ کا کلام ہر طرح فائق ہے۔ میں نے کہا حضرت آپ نے جانشینی کا دھوئے نہیں کیا۔ فرمانے لگے اس سے کیا حاصل۔ البتہ اگر حضور نظام مجھے اتنی ہی تحفہ دینے لگیں۔ جتنی استاد مرحوم کو ملتی تھی۔ تو محض دنیوی فائدے کے خیال سے میں یہ رحمت گوارا کر سکتا ہوں۔ ورنہ فضول پا پڑ بیٹا دانشمندی کے خلاف ہے۔

مولانا مدوح کو کلام سننے اور خصوصاً سنانے کا بہت شوق ہے۔ حتیٰ کہ ایک بایض کچھری میں بھی آپ کے ساتھ رہتی ہے۔ میں ایک مرتبہ آپ کے اجلاس مجسٹریٹی میں گیا۔ تو آپ نے وہ بیاض نکال کر سامنے رکھ دی۔ ابھی آپ کا دیوان شائع نہیں ہوا۔ مگر آپ اس کی اشاعت کی فکر میں ہیں۔ شاگردان داغ میں مولانا کا دم بسا عظمت ہے۔ آپ نہایت خلیق طلیق اللسان و مشیریں بیاں سخنور ہیں۔ مجھے آپ سے نیاز حاصل کرنے کا ہمیشہ فخر رہے گا۔

جودھپور ہندوستان کی مشہور ریاست ہے۔ پٹت سکھ دیو پشاد صاحب سینئر ممبر اعلیٰ درجہ کے بیدار مغز و منتظم ہیں۔ ریاست کے علاقے میں مور اور کبوتر شکار کرنے کی ممانعت ہے۔ اس لئے یہ جانور یہاں بکثرت پائے جاتے ہیں۔ جودھپور کی کچھری نہایت عالی شان ہے اور مکان عموماً پتھر کے ہیں۔ منشی فیاض احمد صاحب کے مکان پر

اجاب کا اچھا جمع رہتا ہے۔ میں جب تک رہا دوسرے تیسرے دن
دو روپیہ کے لٹو ہیشہ آتے رہے جو مجھے عرصہ تک یاد رہیں گے *
جو دھپور اور گور کے عدد برابر ہیں جس طرح گور سے بھلنا ناممکن ہے
اسی طرح میں بھی جو دھپور جا کر زندہ و گور ہو گیا۔ بڑی مشکل سے جان سلامت
لے کر بھاگا۔

منشی فیاض احمد کے ہاں تو میں مہمان ہی تھا۔ ان کے علاوہ مولوی
محمد ادریس صاحب وکیل۔ منشی رحیم بخش صاحب محافظ دفتر اور حضرت
مولانا بیجو نے بھی مہمان نوازی میں حصہ لیا۔ مولانا کے ہاں محفل میلاد
میں بھی ایک آدھ مرتبہ شامل ہونے کی عزت حاصل ہوئی۔ باوجود احمد
صاحب کلرک۔ محمود خاں صاحب وکیل۔ منشی نثار احمد خلیفہ منشی غیور احمد رحمہ
اور بھائی عبد وکی خوش مذاقی و خوش اخلاقی میں کبھی نہ بھولو نگاران
حضرات کی خوش مزاجی ہی کا سبب تھا کہ میں اتنے دن جو دھپور میں
دل لگا کر رہا۔ اجیر سے جو دھپور کا کرایہ براہ مارواڑ جنکشن بھر ہے۔
مگر دہلی سے جو دھپور آنے والوں کو پھلیرا جنکشن سے گاڑی بدلتی
پڑتی ہے *۔

احمد آباد

میں ۳۔ مئی کو شام کے ۶۔ بجے جو دھپور اسٹیشن سے سوار ہوا۔
اکثر اجاب پلیٹ فارم تک الوداع کہنے آئے۔ گیارہ بجے مارواڑ جنکشن
پر گاڑی تبدیل کرنے کی غرض سے اترنا پڑا۔ بارہ بجے کے بعد اجیر سے

پیشترین آئی۔ میں اُس میں سوار ہو گیا۔ رستے میں پہاڑوں اور غیر آباد جنگلوں کا
 سوا کچھ دکھائی نہ دیا۔ البتہ پالن پر پہنچ کر حالت بدل گئی۔ کیونکہ مارواڑ کا
 علاقہ ختم ہو کر گجرات کی حد آگئی تھی۔ پالن پور کی سزمین میں لنگور بکثرت
 دیکھے۔ اسیشن تک کی دیواروں پر کودتے پھرتے تھے۔ یہ خطہ آباد و
 مسکن ہے۔ میں ہم۔ مئی کو شام کے چار بجے احمد آباد پہنچا۔ اسباب سرائیں
 رکھ کر رسالہ تحفہ احمد آباد کے دفتر میں گیا۔ وہاں ہے اپنی ڈاک حاصل
 کی۔ اس کے بعد عاشق صاحب مہتمم رسالہ تحفہ احمد آباد میرے ساتھ شیخ
 محمد عثمان صاحب شاد پونوی کے مکان پر آئے۔ اور مجھے شعر لے احمد آباد سے
 لایا۔ شاد پونوی نے اُسی وقت گاڑی منگائی۔ اور مجھے ہمراہ لیکر سڑک سے
 میرا اسباب اپنے مکان پر اٹھا لائے۔ منشی عبدالکریم صاحب جوش اور منشی
 حسن جان بیتاب سیدی شاد صاحب کے مکان پر ہر وقت میری رفاقت
 میں رہے۔

میں نے شام تک بعض اجاب کو خطوط کے جواب لکھے۔ رات کو دیگر
 شعر لے احمد آباد تو فوقاً مجھ سے آکر لے شیخ غلام رسول صاحب مخلص بہ ادا
 نے میرے احمد آباد آنے کی یادگار میں مندرجہ ذیل قطعہ تیار کیا۔

زہے جناب و جاہت حسین مرخیں بلغ شہر جناب نو بہار خوش آمد
 بسال جلوہ فروز می آں زخور ادا بخت انچہ بصد جاہ یار خوش آمد

ادب صاحب پُرانے بزرگ ہیں۔ انہوں نے اس تالیف میں آمد کے الف
 کے دو عدد لئے ہیں۔ جو اگر چہ فی زمانہ متروک ہیں۔ مگر پُرانے شاعروں کے
 کلام میں اس کی بکثرت نظیریں ملتی ہیں۔ اس لئے کچھ مضائقہ نہیں۔

۴۔ منیٰ جمعرات کے دن منیٰ حسن جان بیتاب منشی غلام حیدر صفدر گھڑی
منشی عبدالکیم چوٹ احمد آباد کے اسٹیشن ایس برج سے مجھے مقام سرخیز لگے
یہ جگہ احمد آباد سے ۵ میل کے فاصلہ پر ہے یہاں کئی بزرگوں کے مزار
نہیں۔ جمعرات کے دن احمد آباد سے بہت آدمی بغرض زیارت و فاتحہ جاتے
ہیں۔ اس روز ریلوے اسٹیشن سے لوگوں کو واپسی ٹکٹ ملتا ہے۔ اس میں
ایک پیسے کی رعایت ہوتی ہے۔ معمولی کرایہ ۱ روپے۔ واپسی ٹکٹ ۱ روپہ
ملتا ہے۔ سرخیز بی بی اینڈ سی آئی۔ آر کا اسٹیشن ہے۔ اور یہ وہ لائن ہے
جو احمد آباد سے دھولکا کو جاتی ہے۔ ہم تھوڑی دیر کے بعد سرخیز پہنچ گئے
اسٹیشن نے میل ڈیڑھ میل پیدل چل کر بابا علی شہید قس اللہ سرہ کا
مزار مبارک آیا۔ دروازہ خانقاہ پر گل فروش سے کچھ پھول خرید کر درگاہ
میں گئے وہاں فاتحہ پڑھی اور کچھ دیر ادھر ادھر ٹھہر کر عمارت و مناظر کا
معائنہ کیا۔ اس مزار کے احاطہ میں مغرب کے بعد کوئی تنفس ٹھہرنے نہیں
پاتا۔ سبب یہ بیان کیا جاتا ہے کہ دن چھپے یہاں ایک شیر آتا ہے۔ اُس کے
خوف کی وجہ سے سب لوگ شام سے پہلے ہی خانقاہ چھوڑ دیتے ہیں۔
ممکن ہے یہ بات صحیح ہو۔ مجھے اس کی جانچ کا موقع نہیں ملا +

یہاں سے کچھ فاصلے پر ایک بزرگ حضرت نوح احمد شاہ صاحب کا
مزار مقدس ہے۔ خانقاہ کا احاطہ نہایت وسیع و بارونق ہے۔ مختلف
اقسام کی استعمیاء خوردنی۔ برقت۔ سوڈا ایمونٹیڈ۔ شربت چاؤ۔ کافی پان
غرض کھانے پینے کی سب چیزیں بافراط فروخت ہوتی ہیں۔ زیرین مزار
شاہی زماں کے ایک لہنا چوڑا تالاب ہے۔ خانقاہ کے درپچوں سے

پانی کا نظارہ نہایت دلکش معلوم ہوتا ہے۔ یہاں رندیاں بھی مجرا کرتی ہیں اور یار لوگوں کو اس مقدس مقام پر دل لگی کی سوجھتی ہے۔ ہم بارہ بجے سے شام کے ۵ بجے تک یہاں رہے۔ چھ بجے سرخیز اسٹیشن سے سوار ہو کر احمد آباد واپس چلے آئے۔

اگلے روز ایک کپڑے کا کارخانہ موسوم بھرت کھنڈ مل دیکھا۔ نشتی عبدالحکیم صاحب تشار تشار درجناب نوح ناروی اس مل میں ملازم ہیں۔ انہوں نے انجن گھر اور کپڑا بننے کی چلتی ہوئی مشینیں مجھے دکھائیں۔ سینکڑوں ملازم کام پر لگے ہوئے تھے۔ اور سزاروں کلبیں چل رہی تھیں۔ طلسم کا عالم تھا جس وسیع بال میں کپڑا بنا جاتا تھا۔ اس کے اندر مجھے غیر معمولی گرمی محسوس ہوئی۔ اس لیے دوسرا کارخانہ دیکھنے کی جرات نہ ہو سکی۔

۸۔ مئی سیجر کی شام کو مشاعرہ تھا۔ اس کے ٹوٹس دو تین روز پہلے تقسیم ہو چکے تھے۔ مضمون یہ ہے:-

مقام
احمد آباد۔ بیان کو نازک
انجن تہذیب سن

تاریخ
۸ مئی ۱۹۰۹ء

جناب من

تسلیم۔ عرض خدمت میں یہ ہے۔ کہ اتفاق وقت سے محمد می
مکرمی حضرت نشتی وجاہت حسین صاحب وجاہت اڈیٹر
اصلاح سخن لاہور سے تشریف لائے ہیں۔ لہذا میں نے
ذیل کے مصرع پر مشاعرہ قرار دیا ہے۔ امید ہے کہ تشریف علیہ

ہو کر داعی کو ممنون فرمائیں۔ مصرع طرح ۵

قتل تیغ ابرو دیا و گیارہ زم ماتم میں۔ ماتم قافیہ

مجھے مصرع کے صحیح غلط یا اچھے بُرے ہونے سے بحث نہ تھی۔ میں نے مذاقاً کہا۔ کہ جو دھپور سے احمد آباد کا سفر اتنا لینا نہیں۔ جتنا یہ مصرع طویل ہے۔ بہر حال میں نے دو غزلیں لکھیں۔ اور شاعرہ میں پڑھیں۔ ملاحظہ ہوں ۵

جفا میں جتنی ہوں تھڑی میں جتنے ظلم ہو کم ہیں
نشان تک مٹ گئے باقی ظلم میں اب نہ پرچم ہیں
یہ بوڑھا ہو گیا لیکن وہ کیسے بل ہیں وہ تم ہیں
وہ اپنی زلف کی تعریف میں کہ مجھ سے برہم ہیں
مجھ سے میں ہی دونوں سر پہراز و سہم میں
یہ زندان خرابا باقی بھی اپنے وقت کے جہم ہیں
جو ہم میں بس بی تم ہو جو تم ہو بس ہی ہم میں

یہ دواں کے سب فکر میں جل ہی جانے میں ہیں
نیار و نا پڑا ہے وہ شریک برہم ماتم ہیں
تہا لے ہونٹ بھی سوکھے میں کچھ آنکھیں بھی چڑکی
کہ جتنے داغ ہیں دل پر وہ سب نیار و درم ہیں
جیسا کہ ہے بس تبتو نہیں تم ہو نہیں ہم ہیں
کالے جائیگے آخر کہ ہم فرزند آدم ہیں

ستم کے تم جو عادی ہو تو ہم بھی خوگر غم میں
لحد میں کس سرو سامان میں چٹپٹاں عالم میں
زمانے پرستم پہرہ کے اب بھی کیا کم ہیں
یگر بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ناگن کیوں کہا تم نے
تماشہ خُش کے دیکھے ہیں کیساں یہ دھول نے
نہیں بچے سہا تے جام صبا ہاتھ میں لے کر
مکمل بھی ڈھپور سے یہ چھڑو ناز کی باتیں

شب وعدہ وہ آئینکے نہ آئینکے نہ آئینکے
بلا خوش ہونیکا موقع ہیں کب مرگ دشمن پر
کسی کچھ کھیندے سے چھٹ کرے ہو شاید
کیا ہے بھکھو بالا اس مہ رو کی الفت نے
شب وعدہ جو گئے ہو تو کھل کھیلو نہسو بولو
ترسے کہ چھ کی جنت میں ہمیشہ رہ نہیں سکتے

ہمارا قول ہے تم ہوتا را قول ہے ہم ہیں	کہو اپنے دو غادوں میں ثابت کن ہوتا ہے
و جاہت احمد آپاد کے جی خوش ہو گیا اپنا	یہاں کے آدمی خوش طبع ہیں خلق بخسہ ہیں
<p>کہ اُس کے چار افسو یادگار بزم ماتم میں کسی کے لئے گیسو یادگار بزم ماتم میں کہ وہ اور اُس کے برویا و گار بزم ماتم میں پسٹ کر روئیں تو یادگار بزم ماتم میں یہ افسوں اور جاوید یادگار بزم ماتم میں بس اب کیا ہے کل دیو یادگار بزم ماتم میں خدا کی شان آہو یادگار بزم ماتم میں مسلمانو یہ مندو یادگار بزم ماتم میں زمانے بھر کے گلرود یادگار بزم ماتم میں یہ سچ ہے تیرے گیسو یادگار بزم ماتم میں یہ اُن کے چند پہلو یادگار بزم ماتم میں حسیناں پر یو یادگار بزم ماتم میں کھنڈ ر جتنے ہیں ہر سو یادگار بزم ماتم میں وہی بس چند افسو یادگار بزم ماتم میں</p>	<p>ہمیں مطلب ہے جو ہر سو یادگار بزم ماتم میں پریشانی پڑھی ہے ہو بد دشمن کے مرنے سے مواقف بھی شامل ہے اُسے دیکھو غرور اور جب آل موت دشمن کی کہا اس شوخ سے پس مے پھولوں میں بیٹھے پھوٹتے ہیں کچھ دھڑلے ہوا ہے بیل نا شاؤ کا گلشن میں دم آخر عدو کے سوگ میں تیرے نقشہ ابھی اکھنڈ پریشان ابھی زلفیں ہیں دل مرحوم کے غم میں گل عارض کا عاشق مر گیا یہ سو گئے اُس کا بجا ہے میسے مرنے سے کھلا ہے بال بال انکا عدو سے ہنستے ہیں لٹتے ہیں میسے سو گواراں نہایت دہوسے سب نے منایا سوگ عاشق کا نگاہ غور سے دیکھو نشان میں شے دالوں کے و جاہت میری میت پر جو نکلے اسی انگوں کے</p>
<p>یہاں کے مشاعرہ میں دستور ہے کہ شاعر صاحبان پہلے اپنی اور پھر اپنے انسناد کی غیر طرح غزلیں پڑھا کرتے ہیں۔ اس کے بعد اپنی طرحی غزل سناتے ہیں مگر اس مشاعرے میں یہ التزام نہیں رہا۔ شاید اس کی یہ وجہ ہو کہ میں</p>	

قبل مشاعرہ اس طریقے کی نسبت ناپسندیدگی کا اظہار کر چکا تھا اور بعض احباب سے کہہ دیا تھا کہ میں بارہ بجے سے زیادہ نہ بیٹھوں گا۔ غنیمت ہے کہ حضرات احمد آباد نے اس پر توجہ کی۔ اور کسی شاعر نے طرحی غزل سے پہلے غیر طرح کلام پڑھنے میں وقت نہیں لیا۔

مشاعرہ اچھے اہتمام و رونق سے ہوا۔ پچیس تیس شاعروں نے غزلیں پڑھیں آخر میں مجھ سے غزل پڑھوائی گئی۔ پہلی غزل کا مقطع کئی بار پڑھوایا گیا۔ میں نے بھی پڑھ دیا۔ مگر اور کوئی شعر باوجود خواہش احباب مکرر نہیں پڑھا۔ ناسازائی طبع کا غلہ کر دیا۔ جو سجا تھا۔ بعد ختم مشاعرہ جملہ حاضرین کو چائے پلائی گئی۔ ہم ایک بجے قیام گاہ پر واپس آئے۔

مشاعرہ کے نوٹس میں کسی صاحب کا نام نہیں تھا۔ مگر مکان مشاعرہ میں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت سہیل سورتی ہتھم و منتظم ہیں۔

احمد آباد سے تین چار میل کے فاصلے پر حضرت شاہ عالم و پیر کمال صاحب کے مزارات کی زیارت سے متوقف ہوا۔ اسی روز یہاں کا مشہور نگر یا تالاب اور حوض قطب معائنہ کیا۔ یہ احمد آباد کی سرزمین میں قابل دید چیزیں ہیں شہر سے میل ڈیڑھ میل باہر ایک پرانی مسجد دیکھی۔ اس میں یہ خصوصیت ہے کہ اس کے مینار ہلاٹے سے ہلتے ہیں۔ منشی غلام حیدر صاحب گھڑی نے اوپر چڑھ کر ایک مینار کو ہلایا۔ تو ہمیں اچھی طرح سے اس کی حرکت محسوس ہوئی۔ مگر یہ تھا کہ مقابل میں دوسرا مینار بھی اسی طرح ہل رہا تھا۔ یہ مسجد بہت عالیشان و وسیع ہے۔ مگر اب اس میں شاید نماز کم پڑھی جاتی ہے کیونکہ صفائی اچھی نہ تھی۔ احمد آباد پرانا اور غدار شہر ہے۔ مکانات عموماً کچھریل کے ہیں

مگر کئی کئی منزل اونچے یہاں کسی مکان پر کھلی چھت نہیں دیکھی۔ چارپائی کا رواج بھی کم ہے۔ جب کسی کی دعوت ہوتی ہے۔ تو پہلے اُسے میٹھی چیز کھلائی جاتی ہے۔ اس کے بعد اور کھانے۔ یہاں یہ نئی بات دیکھی۔ کہ چیز دینے والا لینے والے کو سلام کرتا ہے۔ لوگ زبان سے کچھ نہیں کہتے چیز دیکر اپنی پیشانی تک ہاتھ لے جاتے ہیں۔ یہ طریقہ اگرچہ ہمارے رسم و رواج کے خلاف ہے۔ مگر بُرا نہیں۔ چیز دینے والا گویا اس بات کا شکریہ ادا کرتا ہے کہ لینے والے نے اُس کا ہدیہ قبول کیا +

یہاں مختلف قسم کے غالباً ۱۰۰ کارخانے ہونگے۔ دودکش اور چنیاں ریل میں دوسرے دکھائی دیتی ہیں۔ کاروبار گجراتی زبان میں ہوتا ہے یہاں تک کہ بعض اُردو شعراء بھی گجراتی حروف میں غزل لکھتے ہیں۔ چاع کافی کا رواج بہت زیادہ ہے۔ ہوٹل بھی بکثرت ہیں +

حضرت پیر محمد شاہ صاحب مدظلہ احمد آباد میں بڑے پایہ کے بزرگ ہیں۔ امیرانہ ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرتے ہیں۔ مجھے آپ کے ہاں محفل میلاد و دعوت میں شریک ہونیکا فخر حاصل ہوا +

جناب عبد علی صاحب قنبر احمد آبادی کے دولت خانے پر جاکر ملاقات کی۔ انہوں نے دیر تک اپنے کلام سے مخطوط فرمایا۔ منوس ہے کہ اس زمانہ میں انہیں ٹانگ کے درد کی تکلیف تھی۔ جو چوٹ لگ جانے سے پیدا ہوئی تھی۔ حُند اکرے۔ اب اچھے ہوں +

میں سب سے پہلے حضرت ہبیل سورتی کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ کہ انہوں نے مجھ سے خوش خلقی کا ریتا دیا۔ اور ہر چیز بقامت بہتر ثابت بہتر ثابت

دیا جتنا چھوٹا۔ اتنا کھوٹا یہ مثل سہیل صاحب ہی کے برتاؤ سے غلط ثابت ہوئی فشی غلام حیدر صاحب صغیر گھڑی سانجھی میرے دلی شکریہ کے مستحق ہیں۔ یہ ہر موقع و محل پر میرے ہمراہ رہے۔ مہماں نوازی کے علاوہ انہوں نے ایک دن میری گھڑی بھی بلا اجرت درست کر دی تھی۔ فشی حسن جان صاحب بیتاب سند پوی بھی اپنا کاروبار چھوڑ کر ہر وقت میرے پاس موجود رہے۔ میں ان کی مہربانی کو کبھی نہیں بھول سکتا بغیر علی بھائی صاحب شنایہ۔ فشی عبدالحکیم ثناء رسید احمد علی صاحب اسعد بہاؤ نواز آدمی میں فشی نور محمد صاحب ضعیف اور حبیب احمد صاحب گل فروش کو دیکھ کر بھی دل روشن ہوا اور طبیعت کھل گئی۔ خدا میرے ان جملہ جدید احباب کو ہمیشہ شاد کام رکھے۔ فشی عبدالحکیم جو شش سے بیٹھی میں پھر ملاقات ہوگی اسلئے یہاں انہیں نہیں چھوڑ دیا۔

آخر میں شیخ محمد عثمان صاحب ثناء و پونوی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اول سے آخر تک مجھے ناشاد نہیں ہونے دیا۔ ان کے خلق حسن نے ضرورت سے زیادہ احمد آباد میں رکھا۔

میری مہمانی ثناء و صاحب کو بہت گراں پڑی ہوگی۔ کیونکہ میرے پاس جو احباب آتے تھے۔ چاء۔ برف۔ شربت اور پان سے سب کی تواضع کی جاتی تھی۔ بلکہ اکثر احباب کھانے میں بھی شامل ہوتے تھے۔ اس لئے ثناء و صاحب کو بہت صرفہ برداشت کرنا پڑا ہوگا۔ میں احمد آباد میں چار بجے شب سے پہلے کبھی نہیں سویا۔ احباب اپنا کام چھوڑ کر اس وقت تک سیر پاس بیٹھے رہتے تھے۔ میں رات کی کسروں کو سو کر پوری کیا کرتا تھا۔

سیٹھ ابوبکر صاحب رئیس احمد آباد نے اپنی گاڑی میں لیجا کر مجھے مختلف مقامات کی سیر کرائی۔ اس لئے میں چلتے پھرتے ان کو اکثر یاد رکھتا ہوں۔ جو دھپور سے احمد آباد کا کرایہ غا ہے +

بھڑوچ

میں احمد آباد سے ۷۰ میٹری کو دن کے دو بجے روانہ ہوا۔ یہاں سے ریل کی لائن بمبئی تک بڑی ہے یعنی دہلی سے احمد آباد تک چھوٹی لائن آتی ہے۔ اور احمد آباد سے بمبئی تک بڑی۔ شام کے سات بجے بھڑوچ پہنچ گیا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہاں سراء نہیں۔ آخر بھڑوچ کے مشہور ایڈورڈ ہوٹل میں قیام کیا۔ صبح کو منشی محمد عبدالنادر صاحب اعجاز بھڑوچی کے مکان پر ملنے گیا۔ یہ بہت خوش ہو کر رہے۔ اور مجھے اپنے ساتھ لیجا کر منشی محمد ولد آدم بھائی متخلص بہ وحشی سے ملا یا۔ یہ ہوٹل سے میرا اسباب اپنے گھر اٹھلائے +

میں بھڑوچ میں صرف اعجاز صاحب کی ملاقات کے لئے اُترا تھا۔ نہایت خلیق و با وضع آدمی ہیں۔ یہاں نوازی کی یہ کیفیت ہے کہ وہاں کو اپنی جان تک بیچ کر کھلا دیئے۔ واقعی ان کے دل سے ان کی بہت بڑی ہے۔ قطع نظر اس سے اعجاز صاحب اساتذہ دہلی کے سچے قدر شناس اور زبان دہلی کے پکے معتقد ہیں۔ نواح گجرات میں اُستاد سمجھے جاتے ہیں فی الجملہ ایک باحضر شاعر ہیں۔ مگر اپنی معلومات سے فائدہ اٹھانے کی پروا نہیں کرتے +

میر عباس علی صاحب فضا۔ پیرزادہ سید محمود میاں صاحب حمید
منشی عبد الرحیم صاحب انس بھڑوچی سے بھی ملاقات ہوئی۔ جملہ حضرات نے
خوش خلقی کا اچھا ثبوت دیا ۔

۱۹۔ مئی کورات کے تین بجے منشی محمد عبد القادر صاحب اعجاز کے
آدمی نے مجھے آکر اٹھایا۔ اور کہا کہ آپ کو اعجاز صاحب بلا تے ہیں۔
میں نے گھڑی دیکھی تو تین بج چکے تھے۔ اس ناوقت طلبی کا سبب
سمجھ میں نہ آیا۔ آخر یہ سوچ کر کہ اس وقت بلانے کی کوئی علت ضرور ہے
میں فوراً کپڑے پہن کر تیار ہو گیا۔ وحشی صاحب بھی ہمراہ چلے۔ نتیجہ یہ نکلا
کہ اعجاز صاحب کے خاندان میں کسی شادی کی تقریب پمہ منڈی کا نالغ تھا
اس محفل رقص میں سترہ یک کرنے کے لئے میں بلایا گیا تھا۔ اگر مجھے
پہلے یہ کیفیت معلوم ہو جاتی۔ تو شاید نہ جاتا۔ مگر جب گیا۔ تو محفل میں کچھ
دیر بیٹھنا پڑا۔ سورت کی مشہور رنڈی عیدن گارہی تھی ۔

یگم جمادی الاول مطابق ۲۱۔ مئی کو راندیر متھل سورت ایک عرس کی تقریب پر
مشاعرہ تھا۔ اعجاز صاحب دو بجز شعرائے بھڑوچ نے مجھ سے کہا کہ ہم سب اس
مشاعرے میں شریک ہونگے۔ تم بھی غزل لکھو ہم بھی لکھیں گے۔ اور لکھنے راندیر
چل کر پڑھیں گے۔ چنانچہ غزلیں لکھی گئیں۔ مگر اہل بھڑوچ کو ۳۰ کے چاند کا
دھوکا رہا۔ ان کے حساب سے یکم جمادی الاول ۲۲۔ مئی کو ہوئی۔ پھر تحقیق کرنے
سے معلوم ہوا۔ کہ چاند دراصل ۲۰۔ مئی کو ہو چکا ہے۔ اور ۲۱۔ مئی کو جمادی الاول
کی پہلی تاریخ تھی۔ جب وقت گزر گیا۔ تو شعرائے بھڑوچ نے اپنا ارادہ منسوخ
کر دیا۔ میں نے جو غزل لکھی تھی۔ وہ حسب ذیل ہے :-

مصرع یہ تھا۔ رہتی ہے رات دن تری تصویر ہاتھ میں سے

<p>دشمن نے لی وہ زلف گرہ گیر ہاتھ میں لی اس نے میرے قتل کو شیش لکھ میں رکھتا ہوں سٹے یار کی تصویر ہاتھ میں مڑگاں کو پھیرنے کی یہ اچھی سزا ملی قدرت خدا کی ہے یہ بد بیضا کلیم کا وہ سخت جاں ہوں میرا کہ مے اتھاں جا دشمن کا خط ہے ہم سے پھپھاتے ہو تم بٹا وہ فتنہ گر جواں ہے مدد اس سے مانگا جا صبا کی نظر سے مراد دل تنہج سکا عاشق کا مال مار کے اترا ہے ہو ہوتی ہے دور دست تلی سے بیگلی محشر میں چولہی بھی کر نہیں سکتا کوئی نر اللہ سے شوق ظلم یہ جدت تو دیکھئے مختار ہو کے پھر بھی ہے مجبور آدمی دیکھا کہیں جہاں میں نہ اس شکل کا حسین کافی ہے بس مجھے تو وجاہت یا سرا</p>	<p>اچھا سہا کہ پڑ گئی زنجیر ہاتھ میں قبضہ نہیں یہ ہے مری قہر ہاتھ میں قرآن مری بغل میں ہے تفسیر ہاتھ میں مارا ہے اس نے ناک کے اک تیر ہاتھ میں آخر کہاں سے آگئی تنویر ہاتھ میں بھولے سے بھی وہ لینگے نہ شمشیر ہاتھ میں خود منہ سے بول اٹھی ہے تحریر ہاتھ میں لے یہ عصا تو لے فلک پیر ہاتھ میں لٹکا لیا ہے مار کے پھیر ہاتھ میں مٹھی میں دل ہے یا کوئی جاگیر ہاتھ میں رکھتے ہیں خور و ہی یہ تاثیر ہاتھ میں ہے نامہ عمل کی وہ تحریر ہاتھ میں رکھتے ہیں وہ چارڑی کے عوض تیر ہاتھ میں تدبیر سے نہ آئے گی تقدیر ہاتھ میں ہم لے کے پھر گئے تری تصویر ہاتھ میں محشر کے دن ہو امن شیر ہاتھ میں</p>
--	--

بھڑوچ مہبت بڑا شہر نہیں مردم شماری نصف لاکھ کے لگ بھگ ہوگی
 اس کی آبادی نہایت خوشنما و دلکش ہے۔ کچھ مکان بلندی پر بنے ہیں
 لے اگر چہ زنجیر پاؤں میں چھپی معلوم ہوتی ہے۔ گریہاں ہاتھ میں زنجیر بٹنے کا غرت بھی اطفح خالی نہیں ہے

اور کچھ پتی میں۔ اس لئے دور سے بڑا شہر معلوم ہوتا ہے۔ وریائے نرید شہر کی دیوار سے لاپٹا بہتا ہے۔ اس میں کشتیاں چلتی ہیں۔ اس وریا کا پانی جس کے اوپر سے ریل گزرتی ہے۔ قابل دید ہے۔ یہاں کا پانی عموماً تلخ اور کھاری ہے۔ ایسا کہ اگر کوئی شخص بھولے سے کھلی کرے تو کوئین کا مزہ آجائے۔ پینے کے لئے بعض مقامات کا پانی مخصوص ہے۔ یہاں بکر قصاب زیادہ رہتے ہیں۔ جو عموماً خوشحال ہیں۔ اردو اور بھارتی دونوں زبانیں بولی جاتی ہیں۔ اعجاز صاحب کے دم سے شعر و شاعری کا اچھا چوڑا رہتا ہے۔ احمد آباد سے بھڑوچ کا کرایہ ٹھہرا۔ شہر اسٹیشن سے ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ہے۔

سورت

میں ۲۳ مئی کو بھڑوچ سے چار بجے کے قریب سورت کی طرف روانہ ہوا۔ دھنسی اور اعجاز صاحب اسٹیشن تک رخصت کرنے آئے اور گاڑی چلے جانے کے بعد واپس گئے۔ ریل کے بجکر کچھ منٹ پر سورت پہنچ گئی۔ میں نے یہاں صرف یہ کام کیا کہ اسٹیشن سے گاڑی کرایہ کر کے سیدھا بخشی جی صاحب متخلص شیدائے مکان پر گیا۔ اور وہاں جا کر مولوی نجم الدین صاحب ثاقب بدایونی کو دریافت کیا۔ میرا خیال تھا کہ مولوی صاحب راندر کے عرس میں شریک ہونے کے لئے بڑودہ سے ضرور تشریف لائے ہونگے۔ مگر دریافت کرنے سے سخت مایوسی ہوئی۔ شیدائے صاحب کے مکان پر میں نے اپنا نام پتا کچھ نہیں بتایا۔

اُسی وقت واپس ہوا۔ اس اثنا میں دو تین بازاروں کی سیر ہو گئی۔ سورت نہایت پُر رونق و آباد شہر ہے۔ بازار بھی کشادہ ہیں۔ ریلوے اسٹیشن اگرچہ مختصر ہے۔ مگر کرسی دیکر بنایا گیا ہے۔ مسافر سیرٹھیاں چڑھ کر پلٹ فارم پر پہنچتے ہیں۔ پھر ریل میں بیٹھتے ہیں۔ کاروبار گجراتی میں ہوتا ہے۔ اُردو بھی بولی جاتی ہے۔ بھڑوچ سے سورت کا کرایہ ۷۷ روپے +

مبئی

۲۳۔ مئی کو ۹ بجے شب کے بعد سورت سے سوار ہوا۔ اور پانچ بجے سے پہلے اسٹیشن گرانٹ روڈ بمبئی پہنچ گیا۔ یہاں سے بھنڈی بازار تک گاڑی کرایہ کی اور ایک جد میں اسباب رکھ کر طبع کی نماز پڑھی۔ جیب کچھ دن چڑھا۔ تو میں اپنا اسباب ایک شخص کے سپرد کر کے جو غالباً ٹون تھا۔ بازار کو روانہ ہوا۔ سب سے پہلے قاضی عبدالکریم صاحب کی دکان پوچھی کیونکہ یہاں مجھے حاجی تھل حسین صاحب تھل جلالپوری سے ملنا تھا۔ مگر دکان بند تھی۔ معلوم ہوا کہ ۹ بجے کھلتی ہے۔ پھر میں نے ذکر یا مسجد کی راہ پوچھی۔ اور مولوی محمد انور صاحب انور مدرس مدرسہ ہاشمیہ سے ملاقات کی انہوں نے ۹ بجے کے بعد ایک لڑکا میرے ساتھ کیا۔ کہ مجھے حاجی تھل حسین صاحب سے ملا دو۔ اس مرتبہ دکان تو کھلی پائی۔ مگر حاجی صاحب موجود نہ تھے۔ کتب خانہ کے ایک مھر نے مجھ سے کہا۔ کہ آپ بیٹھ جلیے۔ حاجی صاحب آیا ہی چاہتے ہیں۔ چند منٹ کے بعد حاجی صاحب شریف لا کر دکان کے اندر میرے پاس ہی بیٹھ گئے۔ مگر مجھے اس وقت

تک علم نہ ہوا کہ دوسرے شخص نے انہیں نام لے کر نہ پکارا۔ پھر میں نے پوچھا کہ حضرات آپ صاحبان میں حاجی ساجل حسین صاحب کون بزرگ ہیں حاجی صاحب فوراً بول اُٹھے۔ فرمائیے کیا ارشاد ہے۔ اس کے جواب میں میں نے اپنا نام پتہ بتایا۔ حاجی صاحب بہت تپاک سے ملے۔ اور کہنے لگے کہ کئی روڈ سے آپ کا انتظار ہو رہا تھا۔ آپ فوراً اُٹھے اور میرے ساتھ اُس مسجد میں گئے۔ جہاں میرا اسباب رکھا تھا۔ وہاں سے رٹنک وغیرہ اٹھو کر مجھے پنج بہار دیکھتی کے دفتر میں ٹھہرایا۔ یہ موقع گرائڈ پر دو ٹانگی کے نام سے مشہور ہے۔ یہاں پنج بہار اور سلطان الاخبار کے معاونین میں بہت سے اردو۔ انگریزی اخبار آتے تھے۔ جس لئے یہاں قیام کرنے میں مجھے زیادہ دلچسپی رہی۔ میں آج شام تک اخبار دیکھتا رہا بعض احباب کو خطوط لکھے۔ تمام دن پنج بہار کے دفتر میں گزر گیا۔ رات کو میر کاظم حسین صاحب ہدف لکھنوی اڈیٹر رسالہ عنچہ جاوید پٹی اور مولوی عبداللہ احمد صاحب مترجم گورنمنٹ سکریٹری سے ملاقات ہوئی ۲۵۔ مئی کو میں نے سب سے پہلے جو کام کیا۔ وہ یہ تھا۔ کہ حواج ضروریہ سے فارغ ہو کر منشی و نایک شاد صاحب طالب بنارسی کی تلاش میں نکلا انہوں نے اپنے مکان کا پتہ بھی لکھا تھا۔ اور بانی والا تھریل کمپنی کا بھی مکان میری جائے قیام سے کچھ فاصلہ پر تھا۔ البتہ تھریل قریب تھا۔ اسلئے میں ٹرمیو سے میں ٹھیکر جلد پہنچ گیا۔ دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ آج انوار ہے طالب صاحب سے ملاقات نہ ہو سکیگی۔ میں یہ سن کر مکان پر واپس چلا آیا۔ دوپہر کا کھانا کھا کر سو رہا شام کو باج بکے کچھ

میں اور میر کاظم حسین صاحب ہدف لکھنوی زرگیا مسجد میں مولوی محمد انور صاحب انور کے پاس گئے اور ڈکٹور یاگاڑی میں سوار ہو کر چوپانی پہنچے یہ آج پہلا موقع ہے کہ میں اپنے سمندر کا نظارہ کیا۔ اور نظارہ بھی کیسا نہایت دلکش و دلچسپ۔ چوپالی واہری چوپانی ترے کیا کہنے تیرا جلوہ دل کو سرور آنکھوں کو نور بخشا ہے۔ راجہ اندر کا اکھاڑا اور قاف کا پرستاں بھی ہو گا۔ تو ایسا ہی ہو گا۔ چوپانی کو اندھا بھی دیکھے تو آنکھیں سی کل جائیں عجب پرفضا مقام ہے۔

چوپانی سمندر کے کنارے ایک وسیع میدان ہے۔ پانی کے کنارے پتھر کی ایک لمبی سڑک بنی ہے۔ اس پر آدمیوں کے بیٹھنے کے لئے جا بجا بچیں پڑی ہیں۔ شام کو سورج کی گرمی کم ہوتے ہی سیکڑوں گاڑیوں۔ بائیسکلوں کی آمد و رفت شروع ہو جاتی ہے۔ بعض کفایت شعار خوش مزاج پیدل آتے ہیں۔ اور چوپانی کی سڑک گلزار بن جاتی ہے۔ سیکڑوں پر ہی اندام لیڈیاں رنگارنگ کی ساڑیاں اور ساسے زیب تن کئے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر گشت کناس دکھائی دیتی ہیں۔ پان چاء۔ کافی نیچنے والے بھی موجود رہتے ہیں سمندر کی لہروں کا شور گاڑیوں کی گھر گھر اٹھٹا لباس کی گونا گونی جینوں کی چہل قدمی عجب دل فریب منظر پیدا کرتی ہے۔ یہ نظارہ دہلی والا ہو میں آنکھوں کو میسر نہیں ہو سکتا۔ مگر میری طبیعت کچھ عجیب قسم کی واقع ہوئی ہے۔ میں اس تماشے سے مزید کر سمندر کی ریت میں جا بیٹھا۔ ہدف دانور نے بھی میرا ساتھ دیا۔ اچھی صورتوں کے دیکھنے میں بڑائی تھی کہ نظر کسی حسین چہرے پر صرف اٹھتا ہوا

جگہ میں گردش کر سکتی تھی۔ پورا لطف نظارہ نہ اٹھنے پاتا تھا کہ دوسری شکل سامنے آجاتی تھی۔ اس پریشاں نظری سے مروجہ دیدہ کے آوارہ ہو جانے اور حضرت ولی کے تکلیف اٹھانے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے کنارہ ہی مناسب سمجھا گیا۔ یہاں حد نظر تک ایک ہی جاؤ سیراب کرنے کے لئے کافی تھا۔ مہجی کی چوپائی تڑپتی تھی۔ حسین شکلیں لاہور میں بھی نظر گر جاتی ہیں۔ مگر سمندر نہیں مل سکتا۔ اس لئے میں نے سمندر کے نظارے کو ترجیح دی۔ دن غروب ہونے کے قریب سمندر کے کنارے سے دوڑھائی میل کے فاصلے پر پانی میں ایک مینار کی چوٹی روشن ہوئی یہ دراصل ایک لائٹن ہے۔ جیہٹی آنے والے جہازوں کی رہنمائی کرتی ہے۔ اس کی روشنی چاروں طرف پھرتی رہتی ہے۔ کبھی شمال کی طرف کبھی جنوب کی جانب علیٰ ہذا القیاس۔ مجھے ریڑھاٹا نظر آیا۔ اسلئے میر تک اسی کو دیکھتا رہا۔ یہاں منتی افتخار علی صاحب چکر شاگرد حضرت امیر مینائی سے ملاقات ہوئی۔ اندھیرا ہو جانے پر ہم اپنے گھروں کو واپس چلے آئے۔

۲۹۔ مئی کو چار بجے شام سے پہلے میں امیر کاظم حبیب صاحب ہدف بالی والا تھیر میں منشی طالب مینائی سے ملنے گئے۔ آپ اس وقت موجود تھے۔ ہدف صاحب نے میر افتخار کی۔ طالب صاحب ایک عیالدار کرے میں میز کرسی لگائے بیٹھے تھے۔ میں ان سے اور وہ مجھ سے مل کر بہت خوش ہوئے۔ ایک استاد کے شاگرد باہم بھائی بھائی ہوتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ فی زمانہ لوگ اس کا بہت کم خیال

رکھتے ہیں مگر طالب صاحب مجھ سے اسی طرح ٹالے جس طرح کوئی اپنے
 بھائی سے ملتا ہے۔ آپ کی عمر پچاس سال سے زیادہ ہے۔ نہایت
 بے تعصب اور خلیق آدمی ہیں۔ آپ نے یکت پیمونڈ۔ پان سے نواضع
 کی۔ اور گھنٹہ کے بعد سحری نے اجازت چاہی۔ بھنڈی بازار سے ہدف
 صاحب بھی رخصت ہو گئے۔ میں سیدھا زکریا مسجد پہنچا۔ وہاں سے
 میں اور مولانا انور مع منشی عبد الکریم جو شش ایک بندرگاہ کو روانہ ہوئے
 یہاں سے جہاز وغیرہ روانہ نہیں ہوتے۔ چھوٹے چھوٹے آگسٹ اور
 کشتیاں چلتی ہیں۔ شاید ۲۰ کے پیسے دیکھیں ہم ہر سہ اسٹیشن اس ایک کشتی
 میں سوار ہوئے۔ اور تقریباً ایک میل تک سہ سہ میں گئے۔ مولانا انور
 نے مجھ سے کہا۔ کچھ سنا ہے۔ اثناء سفر میں غزل وغیرہ کہنے کا مجھے اکثر
 اتفاق ہو چکا تھا۔ اس لئے میں نے چند غزلوں کے چند اشعار جو اہمیت
 یاد آتے گئے۔ مولوی صاحب کو سنائے۔ انہوں نے بھی اپنے کام سے
 محفوظ کیا۔ یہ تھوڑی دیر کی بھری سی رہا۔ پٹنہ پہنچا۔ شام کو مولوی
 انور صاحب کے پاس میری دعوت تھی۔ اس لئے میں آج راستہ نہیں
 کے پاس مقیم رہا۔ ۲۰ مئی کی صبح کو پنج بہادر کے دفتر میں چلا آیا بعض
 خطوط کے جواب لکھے۔ شام کو حاجی قہل حسین و مولانا انور تشریف لائے
 اور تفریح طبع کے لئے ایک ہوٹل میں جا کر بیٹھ گئے۔ یہیں مغرب کی
 ناز پڑھتے ہوئے حاجی صاحب کا جوتا چوری گیا۔
 ۲۸ مئی جمعہ کا دن حاجی قہل حسین اور مولوی محمد انور صاحب کی چھٹی کا
 تھا۔ آج کے لئے یہ بات قرار پا چکی تھی کہ جس بندرگاہ سے جہاز روانہ

ہوتے ہیں۔ وہاں کی سیر کی جائے چنانچہ تین بجے کے قریب میں اور
 حاجی تاجل حسین صاحب زکریا مسجد سے مولوی انور کو ساتھ لے کر سواری
 ٹیم بدرگاہ مذکور پر پہنچے۔ یہاں تھوڑے تھوڑے فاصلہ سے کئی جہاز
 ایستادہ تھے۔ حسن اتفاق سے تھوڑی دیر کے بعد ایک مال کا جہاز صین
 وغیرہ کی طرف روانہ ہونے والا تھا۔ ہم اس کی روانگی کا نظارہ دیکھنے کے لئے
 ایک پنج پر جو انگریزاں جہاز کے کمرے سے باہر پڑی تھی بے تکلف بیٹھ
 گئے۔ بعض ملازمان جہاز نے ہم سے کہا کہ صاحب کا مزاج بہت سخت ہے
 عجب نہیں وہ آپ کو یہاں دیکھ کر برہم ہو۔ مگر ہم نے کچھ پروا نہ کی۔ چند
 منٹ کے بعد صاحب بہادر دروازہ پر تشریف لائے اور ہم سے
 پوچھا۔ آپ لوگ یہاں کیسے؟ مولانا انور دروازہ کے قریب تھے انہوں
 نے جواب دیا کہ سیر دیکھتے آئے ہیں۔ صاحب بہادر نے جو طعنا شریف
 تھے بخندہ پیشانی کہا: آپ اندر آجائیے۔ ہم سب نے صاحب کی کس
 مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اور اطمینان سے اسی جگہ بیٹھ رہے۔ تقریباً پاؤں
 گھنٹہ کے بعد ایک جہاز کو حرکت ہوئی۔ اور وہ بہت دھیمی رفتار سے
 چل کر ہمارے پاس ہی آٹھرا۔ خلاصی موٹے موٹے رستے جہاز سے
 کنارے پر پھینکنے لگے۔ دوسرے خلاصیوں ان رستوں کو کھنٹوں سے
 باندھ دیا۔ جہاز کی گزرگاہ میں پل چاہیل تھا۔ ہم حیران تھے۔ کہ جہاز کا رستہ
 تو ہے نہیں یہ آسکے کیونکہ چائیگا۔ مگر جب پل کے نیچے پانی کا اُتار چڑاؤ
 جہاز گزرنے کے قابل ہو گیا۔ تو جہاز کو پھر حرکت ہوئی۔ کنارے والے
 خلاصیوں نے تدریج رستے ڈھیلے چھوڑ دیئے۔ جس وقت جہاز پل

کے بالکل قریب آیا تو پل کا ایک سرا اٹھا اور چکر لٹھا کر دوسرے کنارے سے جا ملا۔ اس طرح جگہ خالی ہو گئی۔ جہاز آہستہ آہستہ یہاں سے نکل کر گہرے پانی میں آیا۔ اور چند منٹ کے بعد تیز رفتاری سے بڑھنے لگا۔ حتیٰ کہ نظروں سے غایب ہو گیا۔ پل پھر برابر ہو گیا۔ اور اس پر سے گاڑیاں گھوڑے پیدل سوار بڑھ گئے اور دھڑکنے لگے۔ شاید ناظرین کو تعجب ہو گا۔ کہ سمندر میں پل کیسا اور لوگ اس سے عبور کر کے کہاں جاتے تھے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ جگہ کنارے کے قریب ہے جس طرح بڑے کمرے میں کوٹھریاں ہوتی ہیں۔ اسی طرح سمندر میں جہازوں کی حفاظت کے لئے بعض ٹکڑے علیحدہ کر لئے گئے ہیں۔ ان کے ارد گرد خشکی اور ایک طرف پانی ہے۔ اس پانی پر پل باندھ دیا ہے۔ تاکہ آمد و رفت میں دقت نہ ہو۔ ایسے پل اور ایسے قلعے سمندر میں بہت جگہ ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز وہ منظر ہے جہاں جہاز کے زیریں حصہ کی مرمت اور رنگ وغیرہ کیا جاتا ہے۔ جب کسی جہاز پر رنگ کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ تو مشین کے ذریعہ سے اس گودی کا پانی نکال کر جگہ بالکل خشک کر دی جاتی ہے۔ اتفاقاً سنہ سے آجکل اس گودی کا پانی نکالا ہوا تھا۔ اور جہازوں کی مرمت ہو رہی تھی۔ اس لئے ہمیں اس کی سیر کا بھی موقع مل گیا۔ یہ بہت گہری جگہ ہے۔ ایسی کہ اس کی زمین دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ اندر پکا فرش ہے۔ اس پر تپائیاں لٹی بنی ہیں جہاز ان کے اوپر ٹھہرا دیا جاتا ہے۔ مرمت کے بعد اس جگہ پانی بھر دیتے ہیں جس سے جہاز تیر کر چلنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ ہم نے

سیڑھی کے ذریعہ سے چڑھ کر کئی جہازوں کی سیر کی۔ تجارتی مال بھی بار ہوتے دیکھا۔ مال گودام سے دس دس پندرہ پندرہ بوریاں ایک جگہ جمع کر کے مضبوط آہنی زنجیروں سے جکڑ دی جاتی ہیں۔ اس کے بعد جزئیہ کا عمل شروع ہوتا ہے۔ وہ بوریاں اوپر اٹھ کر جہاز میں ٹھیک اسی جگہ پہنچ جاتی ہیں۔ جہاں رکھنی منظور ہوتی ہیں۔ ہاتھی اپنا بھی اسی طرح لٹکا کر جہاز میں رکھ دیئے جاتے ہیں۔ ہم نے کئی جہاز اندر سے دیکھے۔ جن میں عربیہ اور مظفری بھی تھے۔ آج بندرگاہ میں زیادہ وقت صرف ہوا۔ شام کو میں اور حاجی بھل حسین صاحب مولانا انور کے ہاں مدعو تھے۔ اس لئے ہم سیدھے ذکر یا مسجد پہنچے حاجی صاحب کھانا کھا کر چل دیئے۔ میں آج بھی یہیں رہا۔

۲۹ مئی سینئر کے دن فشی و نایک پر شاد صاحب طالب بنارس سے پھر ملاقات ہوئی۔ اس وقت ان کے پاس سید ظفر حسن صاحب خاطر لکھنوی بھی تھے۔ کچھ دیر شعر و شاعری کا خوب چرچا رہا۔ آج شب کو طالب صاحب نے تھیسٹر کا تماشا دیکھنے کی دعوت دی۔ اور دو آدمیوں کے لئے اول درجے کا پاس ایک لفافے میں بند کر کے بڑے تنگ سے میرے سامنے پیش کیا۔ میں نے پاس دیکھ کر ان کا شکریہ ادا کیا چلتے وقت انہوں نے اس امر کی خاص تاکید کی کہ آپ کے ساتھ جو صاحب آئیں۔ ان کا لباس بھی بہت صاف اور اُچلا ہونا چاہئے کیونکہ تھیسٹر میں معزز لیڈیاں بکثرت آتی ہیں۔ اس لئے کپڑے صاف ہونے چاہئیں۔ میں نے کہا بہت اچھا۔

مکان پر واپس جانے کے کچھ دیر بعد حاجی تاجل حسین صاحب نے اپنے
 بے آسے مادرِ گھر سے کہا کہ آج ہمارے پڑوس میں آپ کی دعوت ہے
 میں نے کہا بہت خوب۔ مغرب کے وقت وہ مجھے اپنے ہمراہ لے گئے
 کھانے سے فراغت پا کر ٹیبلٹ میں چلنے کی فکر ہوئی۔ کیونکہ ۹ بجے پہنچنا تھا
 میں مکان پر واپس چلا آیا۔ آدھ گھنٹے کے بعد حاجی صاحب بھی میرے
 پاس آ گئے۔ اور ہم دونوں ٹیبلٹ کی طرف روانہ ہوئے۔

گیٹ کیمرے سے معلوم ہوا کہ طالب صاحب ناسازی طبع کی وجہ سے
 نہ آ سکیں گے۔ اس نے ہمیں اندر لیجا کر اول نشستنی کر سیوں پر
 بٹھا دیا۔ چند منٹ کے بعد ٹیبلٹ ہال میں دفعۃً برقی روشنی ہوئی۔ تمام
 منڈ وابقعہ نور بن گیا۔ ساتھ ہی برقی پنکھے بھی چلنے لگے۔ سارے نو
 بجے تک سب درجے آدمیوں سے بھر گئے۔ بقول طالب صاحب
 یورپین اور پارسی لیڈیاں بکثرت شریک ہوئیں۔ میرے اور حاجی
 تاجل حسین صاحب کے دہنے بائیں آگے پیچھے۔ غرض ہر طرف زنانہ حسن
 کتاب تھا۔ ٹیک سائے نو بجے گھنٹی بجی اور ڈرائیونگ اٹھ کر تماشہ
 شروع ہو گیا۔ آج کوئی اچھا کھیل نہ تھا۔ زنجیر گوہر کا مسٹف اردو
 زبان سے نا آشنا اور اصول ڈرامہ نویسی سے ناواقف ثابت ہوا۔
 اس تماشے میں ہمیں ایک نقل زیادہ پسند آئی۔ وہ یہ کہ دورانِ تماشا
 میں ایک صاحب لکھنؤ کے پوڑھے نواب بن کر آئے۔ ان کو ٹی ٹادی
 کا چاؤ تھا۔ ان کے ہمراہ حقہ بردار۔ پاندن برادر اور کئی دیگر خدمتگار
 تھے۔ نواب صاحب قریب قریب زنانہ لباس میں سلج پہنوار ہوئے

ان کی محبوبہ سامنے آئی۔ تو انہوں نے ایک مصرع پڑھ کر دوسرا مصرع
موزوں کئے جانے کی درخواست کی۔ وہاں کیا دیر تھی۔ اُس پر ہی جمال
نے جو چیز سے تعلیم یا نہتہ و شاعرہ بھی تھی فوراً مصرع موزوں کر دیا۔
نواب صاحب اور ان کے ساتھیوں نے جس طریق سے اس جو دستِ طبع
کی داد دی اُس کا پورا نقشہ الفاظ میں نہیں کھینچ سکتا۔ واقعی یہ معلوم ہوتا
تھا۔ گویا ہم اس وقت لکھنؤ کی کسی صحبت میں موجود ہیں۔ میں اور حاجی صاحب
دیر تک ہنسنے رہے۔ اس تماشے کے بعض سین نہایت دلچسپ حیرت انگیز
تھے۔ ہم دونوں بچے اپنے اپنے گھر چلے آئے۔ واضح ہو کہ یہ کھیل طالب
صاحب کا بنایا ہوا نہیں *

بالی والا تھیں ہندوستان اور انگلستان میں خوب شہرت حاصل کر چکا
ہے۔ غالباً مشرق میں جب یہ کمپنی لاہور آئی۔ تو ہم نے اس کے چند کھیل
پہلی مرتبہ دیکھے تھے۔ مسٹر خورشید جی بالی والا پرور ائیر کمپنی مذکور ایک
تجربہ کار و جہاں دیدہ خلیل مین ہیں۔ بعض تماشوں میں خود بھی پارٹ
لیتے ہیں۔ اور نہایت عمدگی سے ایکٹ کرتے ہیں۔ میں اس کمپنی کا
ذاتی مکان اور ساز و سامان دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ حقیقت میں
ممتاز و سرسبز و وہ کمپنی ہے۔ میں اس کی دن و رات جو گنی ترقی
کا دل سے خواستگار ہوں۔

۳۰۔ ممی اتوار۔ آج شام کو منشی افتخار علی صاحب جگر مالک آف
جگر کمپنی شاگرد حضرت امیر مینائی کے مکان پر مشاعرہ سا تھا۔ اس وجہ
سے کہ خاص خاص احباب بلائے گئے تھے۔ مجمع عام نہ تھا۔ دو تین

پہلے رسالہ گلچیں لکھنؤ کی یہ طرح میرے پاس بھیجی گئی۔

میلان لگا ہے یہ مٹاں کی دکان پر

میں نے اس پر غزل کہنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تو بعض اجاب نے کہا۔ کہ اس مشاعرہ میں اہل لکھنؤ و شاگردان امیر کا زور ہوگا۔ آپ کا غزل لکھنا اور شریک مشاعرہ ہونا مناسب نہیں۔ میں نے جواب دیا۔ کہ میں اہل لکھنؤ کی تہذیب و شائستگی سے واقف ہوں۔ آپ کو جس بات کا اندیشہ ہے۔ مجھے اُس کا شک بھی نہیں گزر سکتا۔ خصوصاً اس مشاعرے میں مجھے ہر ذرہ شامل ہونا چاہئے۔ کیونکہ اہل لکھنؤ کی ہم زمی کا فخر حاصل ہوگا قصہ کوتاہ میں اور حاجی تاجل حسین صاحب وقت معینہ پر مشاعرہ میں پہنچے مندرجہ ذیل شعراء نے طرچی و غیر طرچی غزلیں پڑھیں۔ حاجی تاجل حسین صاحب منشی نثار علی صاحب جگر میر کاظم حسین صاحب ہدف لکھنوی۔ ذوالعلی صاحب اسرار لکھنوی۔ شیخ احمد صاحب واہ۔ سید سلطان میاں سلطان۔ عزیز جیب قیس۔ میں نے چند شعری جو غزل لکھی۔ اُس کی نقل ملاحظہ ہو:-

میری زبان پر نہ تہا ری زبان پر
لے جائیں گے زمین کو تم آسمان پر
واٹھ خوب تیر چلا ہے کمان پر
ترکش ٹپکنے یا ہے اب اس نے کمان پر
منہ آتے ہیں رقیب تہا ری زبان پر
بیٹھے ہیں بن سنو کے وہ اونچی دکان پر
آیا ہے خوب رنگ تہا ری زبان پر

کیونکہ گھلایہ راز محبت جہان پر
سجدے کر نیکے تیرے قدم کے نشان پر
ارو پ آئینے میں نظر کی ہے یار نے
چھوڑا نہ جذبِ دل نے مے ایک تیر بھی
کچھ تم بھی جانتے ہو مالِ شبِصال
گا کہتے کیوں ہوں لوگ کہ بازارِ حسن میں
دشمن کا پان لکھاتے ہی بس لال ہوئی

یہ ہے زمین کے نیچے تو وہ آسمان پر
 نیلام ہوگا پھر مغنا کی دکان پر
 اچھی بازار میں سے گئی آسمان پر
 اب تم مکان میں ہو تو ہم میں مکان پر
 کچھ حاشیے چڑھائے ہیں تو لمبے بیان پر
 بدظن ہوا ہے مجھ سے فقط اس گمان پر
 خود شیفہ میں اپنی ہی دو آن بان پر
 اس عاشقی میں ل نے بنائی ہے جان پر
 رکھتے نہیں وہ کان ہری داستان پر
 دشمن کے سخت وار ہیں اُردو زبان پر

کیا تفرقہ ہے بعد فنا جسم و روح میں
 نہر و جلو کی شمع کی پچڑی بکے گی آج
 جگر میں آئے آدے میری سب اہل جہنم
 وہ آکے میری قبر پہ کہتے ہیں ناز سے
 وہ اور وعدہ وصل کا فاصلہ غلط غلط
 سمجھا ہے لفظ آدہ کو اللہ وہ صنم
 پمیں بٹھا رہتا ہے ہر وقت آئینہ
 سینے سے کھینچ کے آنکھوں میں مہم آگیا
 کانوں پہ ہاتھ رکھتے ہیں۔ اللہ کی پناہ
 اہل زبان سے کہہ دو وجاہت کو کوشیا

اگر کوئی صاحب دیکھنا چاہیں۔ تو یہ سب خبریں رسالہ گلچیں میں نظر سے گزر گئی ہیں
 ہدف صاحب نے چند اشعار خوش آوازی سے بھی سنائے۔ آپ فنِ موسیقی
 میں خاصا دخل رکھتے ہیں +

۲۱۔ مٹی کو حضرت ہدف مجھے ٹرمیوے میں بٹھا کر وکٹوریا گارڈن لے گئے
 کہتے ہیں۔ یہاں ہفتہ اور اتوار کو شام کے وقت اچھا جلسہ ہوتا ہے بھگت
 باجاسر ملی تانیں اڑاتا ہے۔ اور بہت سی لیڈیاں اور جنٹلمین جمع ہو کر
 سیر کا لطف اٹھاتے ہیں۔ افسوس آج یہ بات نہ تھی۔ باغ اچھا ہے۔
 مگر زیادہ قابلِ تعریف نہیں۔ اس میں ایک مختصر سا چڑیا خانہ بھی ہے +
 بہت ہی لمبا ڈوباوی و مردم شماری ہندوستان میں چوٹی کا شہر ہے
 دس گیارہ لاکھ آدمی بستے ہیں۔ اس کا ہر مکان ایک چھوٹی سی بستی یا

گاؤں ہے۔ غوماگئی کئی منزل کے عالیشان محلات ہیں۔ کرا یہ بہت زیادہ ہے بازار کشادہ اور بارونق ہیں۔ اس خصوص میں دہلی و لاہور اس شہر سے کچھ نسبت نہیں رکھتے۔ بمبئی کے سامنے یہ دونوں شہر ایسے ہیں۔ جیسے نئی فوٹی ڈھلن کے روبرو بیوہ +

میں نے اس شہر کا کوئی حصہ غیر آباد یا بے رونق نہیں دیکھا۔ البتہ جو علمی چرچا پنجاب میں ہے۔ وہ یہاں نہیں پایا جاتا۔ دنیا کے ہر ملک کا آدمی بمبئی میں ملتا ہے۔ تجارتی کاروبار کی وجہ سے اس شہر کی خاص شہرت ہے۔ اور یہ خوشی کی بات ہے۔ کہ یہاں دروازہ قوم کے لوگ یعنی مسلمان ابھی حالت میں ہیں۔ مگر اکثر تہذیب و شائستگی سے محروم ہیں۔ مسجدوں کی طرز بھی زالی ہے۔ گنبد کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔ دروازہ پر ایک آدھ مینار بنا دیا ہے۔ سب مسجدیں صاف شفاف۔ فرش فرش اور جھاڑ فانوس وغیرہ سے آراستہ و پیراستہ اور اکثر دو منزلہ ہیں۔ ہوٹل بھی بکثرت ہیں۔ جو رات کے دو بجے تک برابر کھلے رہتے ہیں۔ چاؤ کافی اور چاول کا استعمال زیادہ ہے۔ شب و روز عجیب چہل پہل رہتی ہے بڑے بازاروں میں ٹرمیوے چلتی ہے۔ چار پیسے دیکر سوار ہو جاتی ہے اور گاڑی کے آخری مقام تک سیر کر بیٹھے۔ یہاں یکے یا ٹم ٹم کا نشان نہیں دکھو یا گاڑیاں کراہ پر چلتی ہیں۔ ان کے علاوہ بمبئی کی ہر دو لائینوں یعنی بی بی اینڈ سی آئی آر اور جی۔ آئی۔ پی۔ آر کے تقریباً دو درجن اسٹیشن ہیں۔ ان میں ایک ایک گھنٹہ کے تفاوت سے ٹرینوں کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ لوگ دن رات اٹھتے پھرتے ہیں

اسٹیشن کوئی قابل تعریف نہیں التبتی۔ آئی۔ پی کا آخری اسٹیشن جسے وکٹوریہ ٹرنس یا یوٹھی بندر کہتے ہیں۔ باہر سے نہایت عالیشان معلوم ہوتا ہے۔ گویا ایک قلعہ گہرا ہوا ہے۔ مگر اندر ایک لمبی اور اونچی دیوار یا پلیٹ فارم کے چبوترے کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ محکمہ وغیرہ ملنے کی جگہ اور دفتر کے کمرے وسیع و بلند ہیں۔ بمبئی میں سفید گلی بھی ایک خاص اور قابل ذکر جگہ ہے۔ یہاں مختلف مالک کی عورتیں ناجائز پیشہ کرتی ہیں۔

آخر میں اپنے جدید کرم گستر اجاب کا شکرا ادا کرنا ضروری ہے۔ سب نے پہلے حاجی بھل حسین صاحب اس کے مستحق ہیں۔ انہوں نے جس خلوص دلی سے مجھے ہمان رکھا۔ بمبئی جیسے شہر میں اس کی اُمید کم ہو سکتی تھی۔ حاجی صاحب پُرگوہ و مذاق سخنور ہیں۔ کلام میں آمدہی آمدہوتی ہے۔ قافیہ پیمائی سے آپ کی طبیعت کو زیادہ مناسبت ہے۔ بہت سے شاگرد بھی کر لئے ہیں۔ خیر سے آپ کا ایک دیوان بھی چھپ چکا ہے۔ آپ نے اپنا فوٹو بطور یادگار مجھے عنایت فرمایا۔

مولوی محمد انور صاحب انور نے میری دعوتوں اور گارڈیوں کے کرایہ وغیرہ میں جو کثیر رقم صرف کی۔ میں اُسے کبھی نہیں بھول سکتا۔ انور صاحب نے مجھے ہمیشہ کے لئے اپنا گردیدہ احسان بنالیا۔ یہ سخن فہمی اور شعر گوئی کا صحیح اور سچا مذاق رکھتے ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اپنے شعر کا پہلا مصرع پڑھا۔ دوسرا مصرع مجھ سے پہلے انہوں نے پڑھا۔ دیا۔ یہ تھا ہشتا سخن فہمی کی دلیل سمجھئے۔ مولانا انور ایک باخبر

شاعر ہیں۔ اس عالم جوانی میں پھر اس زمانے میں ایسا فیک و خوش خلق انسان شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔ اگر ان سے میری ملاقات نہ ہوتی۔ تو میری بیٹی کا لطف اودھارہ جانا۔ میرے آخری زمانہ قیام بمبئی میں ملانا کے مدرسے کا امتحان تھا۔ اس لئے ان دنوں ان سے ملاقات نہ ہو سکی رہا +

میر کاظم حسین صاحب ہدف لکھنوی ایڈیٹر رسالہ غنچہ جاوید بھو سے اس طرح ملے۔ گویا برسوں کے دوست تھے۔ انہوں نے اپنا قیمتی وقت سب سے زیادہ میرے پاس صرف کیا۔ ہدف صاحب نے بے تکلفانہ برتاؤ سے میرے دل کو اپنے تیر محبت کا نشانہ بنایا جن دوستوں کو میں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔ انہیں میں ہدف صاحب بھی شامل ہیں۔ ان کی پُر تکلف دعوت فراموش کرنے کے قابل نہیں۔ جس میں میرے علاوہ منشی افتخار علی صاحب جگر۔ امیر لکھنوی۔ حکیم عبد الحمید قرچہ دہلوی مالک و ایڈیٹر غنچہ جاوید بھی شریک تھے ہدف صاحب لکھنوی ہیں۔ اس لئے ان کے ہاں بات بات میں تکلف تھا +

میرے آخر میں حکیم عبد الحمید صاحب قرچہ مالک غنچہ جاوید بمبئی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ سے نہایت خوش خلقی کا برتاؤ کیا۔ اگرچہ آپ دفتر میں کم تشریف لاتے ہیں۔ مگر میری خوش قسمتی تھی۔ کہ میرے سامنے آپ دن اور رات کو اکثر تشریف لاتے رہے عجب بالذائق اور خوش طبع بزرگ ہیں۔ کوئی بات ظرافت سے

خالی نہیں ہوتی۔ آپ آئے بعض طریقہ نہ فقرے مجھے عرصہ تک یاد رہیں گے۔ آپ کے ساتھ آپ کے ملازم بھی مجھ سے محبت کرنے لگے۔ جن میں منشی عبدالصمد صاحب نیچر کارخانہ قلعہ پنج بہادر اور منشی عبدالرشید صاحب خوش نویس قابل تذکرہ ہیں۔ اگر یہ لوگ مجھ سے ہربانی کا برتاؤ نہ کرتے تو قلعہ پنج بہادر کے دفتر میں میرا قیام مشکل تھا۔ سورت سے بمبئی کا کرایہ عرصہ ہے ۳۰

جُبران پور

۳۔ جون کو بمبئی کے مشہور اسٹیشن وکٹوریہ ٹرمینس (بُٹوری بندر) سے جُبران پور کا ٹکٹ لیا۔ میر کاظم حسین صاحب ہدف لکھنوی مجھے گاڑی میں بٹھانے آئے۔ ساڑھے سات بجے صبح کے ٹرین روانہ ہوئی۔ رستے میں کلیان سے ایک پوری تک عجیب بیچ وریچ رستہ طے کرنا پڑا۔ گاڑی کسی جگہ زمین میں اترتی چلی گئی کہیں بلند ہوئی تو ایسی کہ زمین کی طرف دیکھنے سے خوف معلوم ہوتا تھا۔ خصوصاً جب گاڑی ایک بلند پہاڑی نالے کے پُل سے گزری تو اکثر ڈر پوک دہل گئے۔ آٹھ ساڑھے آٹھ بجے دن کا وقت، تمام گاڑی میں لائٹنیں روشن۔ انجن دھوئیں اڑاتا اور پک پک پک کرتا اندھیری سُرائیوں سے گزرنے لگا۔ تمام مسافر کھڑکیوں سے سر نکال کر دیر تک یہ تماشا دیکھتے رہے۔ اس مقام پر ریل ۱۲-۱۴۔ سُرائیں طے کرتی ہے۔ ایک پوری پہنچ کر لائٹنیں گل کر دی جاتی ہیں۔ پہاڑ بعد میں بھی آتے ہیں، مگر کمی

ہوتی چلی جاتی ہے۔ قصہ مختصر میں شام کے سات بجے برہان پور پہنچا
 اسٹیشن سے شہر ۳ میل کے فاصلہ پر ہے۔ عموماً بیل گاڑیاں مسافروں
 کو لاتی لے جاتی ہیں۔ چرخی چوں۔ چرخی چوں آہستہ آہستہ چل کر پہنچے
 کے بعد شہر کے دروازہ پر پہنچے۔ یہاں سب سے پہلے مفتی محمد فخر الدین خان
 حاذق برہان پوری سے ملاقات ہوئی۔ یہ صاحب فوراً مجھے اپنے مکان
 پر لے گئے۔ اور تین روز سجدہ پیشانی مہمان رکھا۔ اگلے روز جمعہ سے
 پہلے میں نے حضرت شاہ بھکاریؒ اور دیگر شعرائے برہان پور سے ملاقات ہوئی۔
 زیارت کی۔ جمعہ کے بعد دیگر شعرائے برہان پور سے ملاقات ہوئی۔
 جن میں مولیٰ بھائی صاحب مال گھڑی ساز قایل تذکرہ ہیں۔ آگرہ کے
 ایک وٹیرنی ڈاکٹر صاحب سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ افسوس ہے
 ان کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ڈاکٹر صاحب طریقہ رنگ میں
 اچھا کہتے ہیں۔ میں نے ان کا کلام نہیں سنا۔ برہان پور اگرچہ ذرا سا
 قصبہ ہے۔ مگر یہاں شاعروں کی خاصی کثرت ہے۔ ہم قافیہ تخلص
 کے ایسے شاعر با سانی مل جائیں گے۔ جن کا ایک ایک تخلص لینے سے
 غزل پوری ہو سکتی ہے۔ مثلاً ہلالی قافیہ ہے تو خیالی۔ ہلالی تخلص کے
 بہت شاعر دستیاب ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح طالب کے وزن پر غزل
 طالب وغیرہ۔ ہمارے مہربان حاذق صاحب کی اُمت بھی کم نہیں
 شایق۔ شارق۔ عاشق وغیرہ آپ کے بہت سے شاگرد ہیں۔ ناواقف
 اور مبتدی سخن طراز اگر شعرائے برہان پور کے تخلص حفظ کر لیں۔ تو
 بہت سے قافیوں پر عبور ہو جائے گا۔

۶۔ جون کی شب کو مشاعرہ تھا۔ اس کے لئے حسب ذیل نوٹس شائع و تقسیم کئے گئے۔

حضرات۔ فتنی و جاہت حسین صاحب و جاہت جتنھانوی
اڈیٹر رسالہ اصلاح سخن لاہور حضرت داغ مرحوم کے شاگرد
رشید برہان پور تشریف لائے ہیں۔ اور شاعریکیتا مانے
جاتے ہیں۔ لہذا یہ مشاعرہ خاص انہیں کے واسطے
قرار دیا گیا ہے۔ امید کہ آج آٹھ بجے شام کو تکیہ پیلو
میں تشریف لائیں۔ مصرع طرح ۵

تاہوت مرا تخت سلیمان نظر آیا بیا بیاں غیر تانیہ

غزل و راج کرنے سے پہلے یہ لکھ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ
بعض احباب بڑا غیور نے مجھے و جاہت حسین یقین کرنے میں تامل
کیا تھا۔ چنانچہ مقطع میں اسی کا تذکرہ ہے :-

مشکل ہوا وہ کام جو آسان نظر آیا
جس گل پہ نظر کی وہ گلستان نظر آیا
ہندو نظر آیا نہ مسلمان نظر آیا
مجھ کو یہ عجب خواب پریشان نظر آیا
عیدنی بھی مری جان کا خواہاں نظر آیا
دھن نظر آیا نہ گریاں نظر آیا
یہ ایک سمجھ بوجھ کا انسان نظر آیا
اس مال کا یہ چور نگہباں نظر آیا

کچھ عشق میں راحت کا نہ سامان نظر آیا
جز میں بھی نہیں گل ہی نمایاں نظر آیا
اک رنگ میں دیکھے ترے سایہ پروا
دیکھا ہے انہیں غیر کے پہلو میں شب بھر
عشق لب شیریں نے بنائی مے دم پر
وحشت میں جنوں کی ہوئی جڑ بٹ لڑی
نمانی نہیں دنیا میں کوئی پیڑھاں کا
ہے تاک مے دل کی کسی دُور و نظر کو

<p>جو کبھ دینے کا ذمہ میں کیس نظر آیا سکتے میں ہے آئینہ بھی حیراں نظر آیا کبھی میں بھی کوئی نہ مسلمان نظر آیا میخانے میں اک مرد مسلمان نظر آیا پھر آج سمندر میں یہ طوفاں نظر آیا ہم مر گئے جب چشمہ حیاں نظر آیا کہتے ہیں یہ کم عمر سخنداں نظر آیا</p>	<p>وہ ایک ہی تو طوفان ہے اسے شیخ و برہمن تو نے جسے دیکھا وہ ہوا محو تیسر افسوس مے دل پر کیا قبضہ توں نے صد شکر ہیں موجود یہاں حضرت زاہد پھر جوش پہ ہے دیدہ تر ہجر صنم بین راں آئی نہ اُلفت ہمیں اس جاؤں کا حیراں ہوئے دیکھ کے وہ مجھ کو وجاہت</p>
---	---

مشاعرے میں سامعین و شعراء کا اچھا جمع تھا۔ احباب کے اصرار سے مجھے چند
غیر طبع عزلیں بھی پڑھنی پڑیں۔ بارہ بجے شب تک اچھی کیفیت رہی +
برطان پور مختصر کرا باد تھبہ ہے۔ مکانات عموماً کھیریل کے ہیں۔ یہ ملک متوسط
کا علاقہ ہے یہاں عربیہاں کو پہلے دو دو چاول کھلایا جاتا ہے۔ جامع مسجد نہایت
عالی شان و وسیع ہے۔ ہاشم شاہ منکسر الزاج اور خلیق ہیں۔ اعلیٰ تعلیم کی کمی ہے
منشی محمد فخر الدین صاحب حافظ یہاں اچھے سخنور ہیں۔ آپ حضرت شمس و کعبہ
سے سلسلہ ملذذ رکھتے ہیں۔ نہایت بخیر و مہذب بزرگ ہیں۔ میں ان سے نیاز
حاصل کر کے بہت خوش ہوا۔ ان کی یہاں نوازی ہمیشہ یاد رہے گی۔ اسی طرح
خدا بخش صاحب عاشق اور میاں فضل حسین صاحب کو میں کبھی نہیں بھول
سکتا۔ منشی عبدالعزیز خاں صاحب مختار شاگرد حضرت احسن مارہروی بھی قابل شکر ہیں
کہ کھلیفہ اٹھا کر مجھ سے ملنے آئے۔ باقی احباب کے نام مجھے یاد نہیں رہے
کیونکہ رازداری یا ایک دفعہ کی ملاقات کسی وجہ سے بغیر مستحکم نہیں ہوتی۔ بیہوشی
(دکٹریا ٹرینس) سے برطان پور چکا کر آیا۔ یہاں پہنچے ہیں۔

بھوپال

۶ جون کو تمام کے ساتھ شہجے بڑیاں پور سے بھوپال کا کنکٹ لیا۔ حضرت حانق
 دیگر اجاب اشیشن تک پہنچائے آئے۔ رات کا وقت تھا۔ اتفاق سے ریل کا
 زور بھی خالی ملا۔ میں نے فوراً اپنی تان دی و جس کے تین بجے بھوپال پہنچ کر گاڑی
 سے اترنا۔ چونکہ نا وقت تھا۔ اس لئے صبح تک مسافر خانے میں قیام کیا۔ دن بچنے
 کے بعد ایسا ٹم ٹم پر اسباب رکھ کر شہر کی ماہلی اور گاڑی دھالے سے کہہ دیا کہ صبح ۶
 بجے پہنچاؤ سے۔ میں سمجھتا تھا کہ بھوپال مہلی والا پور کے برابر چر رونق ظہر ہوگا۔ اس لئے
 رستے میں رو دھرو اور خرخر سے دیکھتا چلا گیا۔ مگر وہ مولوی بدن کی سی بات معلوم
 نہ ہوئی۔ خیال کرتا تھا کہ شاید آگے چل کر کچھ اچھے آثار نظر آئیں۔ میں اسی دھڑ
 بٹن میں تھا کہ گاڑی واسلے گئے کہا حضرت اترتے ہیں۔ یہاں سے سرائے موجود ہے
 میں نے اپنا اسباب ایک کوٹھری میں مقفل کیا۔ اور شہر کی بہر کو چل کھڑا ہوا۔
 جمہور کی سرائے سے شہر پہاڑنہ یکے کے پاس لئے جلد ایک دروازہ سامنے آ گیا
 میں بڑے شوق و امید سے اندر داخل ہوا۔ مگر کوئی دلکش بات دیکھنے میں
 نہ آئی۔

۱۰ جون ۱۹۰۹ء کو بھوپال میں مشاعرہ تھا۔ جناب سید محمد صاحب شہید
 نے مجھے اس موقع پر کاغذ لکھا کہ

اسے مجھ سے پہلے مسافر

تسلیم ہو مجھے آپ کی تشریف آوری کی خبر ملی۔ میں سخت عیدم نورمت
 ہوا۔ کیا اچھا ہوا اگر آپ آج شب کو انہی کے مشاعرہ میں جو میں نے

قائم کیس ہے۔ شرکت فرما کر اپنے کام سے غفلت نہ کرنا اور اقامت نہ ہونے سے
فرار میں۔ یہ ناچیز کی طرف سے جو شاعرانہ سوتہ طبعیہ ہے۔
تمام عمر خرابا ستا میں خرابا رہا ہے

آپ کا نام و پرستار تو یہ ہے کہ شہید ہو گئی
مخالف کیا متعلق ہمارا

یہ خط ۱۰ جون کو پانچ بجے کے قریب لکھا گیا تھا مگر جس طرح
خون کی ملاحظہ ہو :-

ہماری قبر میں اک سا خوشنما ہے
بتوں کے نقش میں ملے وہ شیخ و شاہ ہے
ظہور اس کے رخ صاف پر نقاب ہے
رو میرے دل کی تپ دیکھ کہ بہت خوشنما ہے
شمار کہ گنا ہوں کو میرے بخش بھی ہے
اچھا اچھا کہ نہ خود سر ہواں قدر کہ وہ
شب وصال ہے تم آج ہم سے کھل گیا
نہ چھوڑا تو سن عمر و سال کا ساتھ کبھی
تو ہمارے جلوہ رخسار کا تو کیا کہنا
چمکائے دینا ہوں میں آنکھوں دام و پیریاں
یہ بت خدا نہ ہوں لیکن ہے اتنی بات غلط
کیا جو ار تو چمکایا نصیب مرا
دور وہ حسن پہ اتر ہے میں آپا عرش

کہ روز خوشنما ہو کہ خوشنما کا جو یہ ہے
ہرستہ خرابا ہے ہم بہت خرابا ہے
خوشنما ہے وہ جزدان میں کہ آپا ہے
تمام عمر خوشنما ہے یہ خوشنما ہے
یہ یسین دین تو یا رب علی الصبا ہے
مٹھل کے کچھ جہاں ہیں ذرا جہاں ہے
حجاب ہو تو نقطہ آنکھ کا حجاب ہے
ہمیشہ ہم چلے ہمراہ ہر کاب ہے
مگر جو دیکھنے کی کسی کو تاب ہے
بس آج سے مرا تیرا حساب ہے
خدا کے لبہ خدائی میں لاجواب ہے
خدا کر سے سے خیر کی آپ و تاب ہے
تمام عمر رہا ہے نہ یہ سننا ہے

اب اُن کو مجھ سے محبت ہے جس کو اُن کا بڑا	بڑا مزہ ہے جو کچھ دن یہ انقلاب ہے
کبھی حرم میں وجاہت تو دیر میں ہی کبھی	یہ بُت بھی میری طرح خانہاں خراب ہے

مشاعرہ اچھی و ختم و صدام اور اعلیٰ اہتمام سے ہوا تھا۔ شاعرانے بھوپال کے علاوہ مولوی محمد عبدالواسع صاحب صفہا شاگرد حضرت امیر مینائی بھی شریک تھے۔ اس مشاعرہ میں اکثر شاعر اپنے مطبوعہ اور قلمی دیوان لے کر آئے تھے۔ جب اُن کا نمبر آتا تھا۔ تو کتاب کھول کر بیٹھ جاتے تھے۔ پہلے ایک آدھ غیر طرح پھر طرح پر غزل پڑھتے تھے۔ بعض صاحبان نے محسب بھی پڑھے۔ اس لئے شاعرے کو غیر معمولی طوالت ہوئی۔ صرف میں ہی ایک ایسا شاعر تھا۔ جس نے غیر طرح غزل نہیں پڑھی۔

بھوپال کو میں نہایت آباد و پر رونق شہر سمجھتا تھا۔ مگر اگر دیکھا تو نام بڑا اور درشن چھوٹے کا مصداق ثابت ہوا۔ مکانات عموماً کچھیل کے ہیں۔ جو زیادہ اونچے نہیں۔ سڑکوں پر جا بجا سڑجی کٹی ہوئی ہے۔ سفید کپڑے پہن کر جائے۔ تو پا جامہ کٹھنوں تک لال ہو جائے۔ روشنی اور چھڑکاؤ کا بھی کافی انتظام نہیں۔ کسی مکان میں بیٹھیے تو کچھیل کے کچروں سے گرد گرد کر تمام کپڑے گر آلود ہو جائیں۔ تمام شہر نہایت بد صورت و بے رونق معلوم ہوتا ہے۔ البتہ شاہی محلات اور بعض پبلک عمارت خصوصاً مساجد بہت عالیشان ہیں۔ جو شہر کے کچھیل کو کٹھروں میں اُن مل سے جو طوسی کھلی دیتی ہیں۔ وہ تاج المساجد بھی دیکھی جس کے لئے ولایت سے بطور کافرت آیا تھا۔ میں حیران ہوا کہ اس شہر میں ایسی مسجد کی کیا ضرورت تھی۔ رہا بقیہ حکیم صاحبہ نے اس کی تیاری میں کروڑوں روپیہ صرف کر دیا ہے۔ کار تعمیر اب

بھی جاری رہتا ہے۔ مگر اس کی رفتار بہت دھیمی ہے۔ عید مسجد پتھر کی بنی ہوئی ہے
کسی دسے کفر اور اپنی بنائی گئی ہے۔ بعد تیار ہی قابل دیدن تھے ہوگی۔ اگرچہ اب
بلور کا فرش اس میں نہ ہوگا۔

بھوپال میں فتنی سید امرا و علی صاحب عیش کا دم غنیمت ہے۔ آپ آزاد
فقیر نہ بلکہ ایک حد تک وحشیانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔ کیونکہ شہر سے بارہ پتھر
باہر ایک کوٹھڑی میں رہتے ہیں۔ ایک دن نرنگ کا نہایت شیخ باجام
پہن کر مجھ سے ملنے شہر ایف لائے۔ میں نے کہا عیش صاحب آج تو
آپ نے لال پری کو مات کر دیا۔ کہنے لگے اگر پچھلے رات کا کپڑا ہو۔ تو اُس کے
پہننے میں مضائقہ نہیں۔ پھر آپ میرے باجام پر کیوں متعرض ہیں عیش صاحب
کی صورت و حالت دیکھ کر مجھے بہت تعجب ہوا۔ کہ آپ بایں بیٹ کنڈلی چابی
دلبر کے مدعی ہیں۔ میں نے عیش صاحب کا فوٹو بھی حاصل کیا۔ انشاء اللہ
کسی موقع پر ناظرین کو زیارت کرائی جائے گی۔

سید محمد یوسف صاحب قبصر بھوپال سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا۔ آپ
وجہ نوجوان ہیں۔ طبیعت میں شہرت پسندی کا مادہ ہے۔ ان کی عربی استعداد
خاصی معلوم ہوتی ہے۔ انگریزی میں بھی دخل رکھتے ہیں۔ نثر اچھی لکھ لیتے ہیں
نظم میں اگرچہ نوشتق ہیں۔ مگر طبیعت بڑی نہیں۔ میں ان سے مل کر بہت
مختلط ہوا۔

فتنی سید حسن صاحب سید مقدر علی خاں ریاست بھوپال مولانا ظفر علی
خان کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے اچھی طبیعت پائی ہے۔ وہاں نواز و فیلین
آدمی ہیں۔ انہیں کے مکان پر فتنی منو لال صاحب بسمل سے ملاقات ہوتی

اور پٹیکل محالاست پر غصہ نہایت گشتگو رہی۔ میں انکی بہرانی کا شکر گزار ہوں +
حافظ محمد سیہان صاحب نے حال میں بھوپالی۔ آپ کی خطا بری آنکھیں۔
بہ بصارت ہیں۔ مگر باطن کا پردہ کھلا ہوا ہے۔ آپ مجھ سے بخلوں دل
ملے۔ بھوپال میں آپ کا دم بھی غنیمت ہے۔ نعتیہ اور عتیقہ دونوں میں
فکر فرماتے ہیں۔ دعا ہے اچھے شعر نکال لائے ہوں +
بہنسل صاحب بھوپالی سے بھی ملاقات ہوئی۔ مگر انہوں نے مجھے منع کر دیا تھا
کہ سفر نامہ میں میرا حال نہ لکھا جائے۔ وجہ ان کا دل جانتا ہوگا۔ بہر حال میں نیکو
بھول نہیں سکتا +

مردی سینہ محمد صاحب شہید ڈونکی سے سہری ملاقات کئی مرتبہ ہوئی
اسی طرح ایک آدھ مرتبہ حافظ حفظ البکر صاحب ہلال میرٹھی بھی ملے +
بھوپال میں زمانے کی دیکھا دیکھی اب مردیٹھی اور گلبدن و مشرور کے
پاچا سے کم پہنچتے ہیں۔ پہلے مردوں عورتوں کا یکساں لباس تھا۔ غالباً اسی وجہ
سے یہ پادشاہ مشہور ہوئے۔

لطفیتہ جہان پور میں بعض اصحاب نے مجھ سے پوچھا کہ بھوپال جا کر
کس کس شاہرے جیسے گا۔ میں نے کہا غلاں بھوپالی اور فلاں بھوپالی ایک
صاحب بول اٹھے کہ حضرت حفظ بھوپالی کی زیادہ تکرار نہ فرمائیے۔ یہاں
نامہ اور غنیمت کو بھوپالی کہتے ہیں +

بھوپال کے اصلی باشندوں کی اخلاقی حالت یادہ بہتر نہیں۔ آوارہ مزاج
عورتوں کی کثرت ہے۔ شہا ہے۔ بھوپال کا پانی قوت مردی کو زایل کرتا ہے
میں اس تاریک پہلو کا ذکر نہ کرتا۔ مگر حبیب بھوپال کی یہ خصوصیت ہندوستان میں

عام طور سے مشہور ہے تو عوام الناس کی آگاہی کے خیال سے ایسا لکھنا ضروری سمجھا گیا۔ ورنہ وجاہت ان باتوں کا رسیا نہیں۔ بڑا نپور سے بھوپال کا کرایہ بیکر ہے۔

۴۔ سیشٹھ

۱۵۔ جون کو مہنگے کے قریب بھوپال شیشٹھ سے سوار ہو کر سہوڑ پینچا بھوپال سے آٹھ ۵۰ میل ہے۔ ۲۲ میل یعنی یہ پور تک ریل جاتی ہے۔ ۲۲ میل کا سفر گاڑی یا کتے میں طے کرنا پڑتا ہے۔ مگر یہ اتفاق کی بات تھی کہ میں جس روز آٹھ جانا چاہتا تھا اس دن کوئی ٹانگہ یا گھوڑا گاڑی نہ ملی بیل گاڑیاں نہیں جو کم رفتار ہونے کی وجہ سے رات کے ۱۰ بجے آٹھ پینچا تیں۔ بیٹھے بیٹھے جو مکان ہوتی وہ مزید ہڑاں۔ اس ٹھٹھے میں نے بیل گاڑی میں سوار ہونا پسند نہ کیا۔ اپنا ٹرک بھوپال ہی چھوڑ آیا تھا۔ لہذا ۲۲ میل کی سخت منزل طے کرنے کے لئے یہ دور سے پیدل چل پڑا جب عصر مغرب کے درمیان بیوی بیل پر پینچا تو یہاں اس سڑک پر وضع کوڑی کی ہڈیوں کی نظر آئی۔ میں بانی پینے کے لئے وہاں آیا۔ حسن اتفاق سے ماسٹر عبد الکریم صاحب اکسپریس چکر ریا ست بھوپال تقریباً دو روٹھے تھے۔ انہوں نے میرا نام و نشان پوچھا۔ اور بعد ازاں مجھے یہاں سے گھر لیا۔ کوڑی کے ڈرا سا گاؤں ہے۔ کھانے پینے کی چیزیں، خشک دستیاب ہوتی ہیں مگر ماسٹر صاحب موصوف نے یہ تجاوت نہ دیا۔ ساراں ہیچم چھو لیا۔ کبیر کو الٹی آرم اسٹیک جو میں نے خوب ہیر ہو کر کھا۔ بیٹھی کے بعد ام کھانے کا یہ

دوسرا موقع تھا۔ رات کو سوتے وقت ایک حجام بلایا جو دیر تک میری ٹانگیں دباتا رہا۔ ماسٹر صاحب دہلی کے بارسٹنگ ہیں۔ مجھے آپ کی ملاقات پر ہمیشہ فخر رہیگا۔ ایسے خلیق وہاں نواز اس زمانے میں بہت کم ہیں۔ ایک ہندو تاکہ دار صاحب بھی جن کا نام شاید گوگل پرشاد ہے۔ میری دلی شکرگزاری کے مستحق ہیں۔ انہوں نے میرے لئے پان وغیرہ کا انتظام کیا۔ جو ایسے گاؤں میں بآسانی ممکن نہ تھا۔ لاہور کو دن بکھنے سے پہلے روانہ ہو کر ۸ بجے آتش پہنچ گیا کیونکہ ۷۔۸ میل جگہ باقی تھی جو جلد طے ہو گئی +

میں اس جگہ اپنے ہم وطن پیر جی ملہو الحسن صاحب ممتاز و مستاجر سے ملنے آیا تھا۔ یہ اس روز اپنے علاقے (جاوڑ) میں گئے ہوئے تھے۔ جو آتش سے ۴ میل ہے۔ میں فوراً ہی منشی محمد یعقوب صاحب وکیل کے مکان پر پہنچا۔ انہوں نے نہایت خوش اخلاقی سے مجھے دو دن اپنے پاس رہاں رکھا تیسرے روز ہمارے پیر جی صاحب تشرفیف سے آئے۔ ۸۔ دن انہوں نے اپنے نوپا پیر جی صاحب فکر سخن بھی فرماتے ہیں۔ میں اور وہ ایک زمانے میں ہم سبق تھے۔ پیر جی صاحب کی خوشحالی دیکھ کر طبیعت خوش ہو گئی۔ آپ نے حکام میں بھی اچھا رسوخ پیدا کیا ہے۔ اور کئی مکانات ذاتی بنا لئے ہیں۔ انہوں نے میری تواضع و مدارات میں کئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا۔ آتش تھانے کا رو بار میں روز افزوں ترقی کو کہہ آمین منشی محمد یعقوب صاحب بھی شکرگزاری کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت خلوص سے میری رہاں نواداری میرا حقیقتہ لیا منشی صاحب کے کہانی عرض کیا۔ نواب میاں کی خوش خلقی بھی قابل شکر ہے۔ آپ مجھے کئی مرتبہ باخود لیں

لے گئے اور ام جامن کھلائے۔ بابر طاقت حسین صاحب برانچ پورٹا سٹر
 اچھی دل لگی اور مذاق کے آدمی ہیں۔ ان کی وجہ سے اچھی وابستگی رہی
 اسٹیشن ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ کچھ حصہ بندی (قلعہ) پر واقع
 ہے۔ یہیں تحصیل و نظامت بھی ہے۔ بھوپال کے علاقے میں نہریں
 نہیں۔ مگر یہاں کی زمین کو بارش کا ٹھوڑا سا پانی بکاتی ہے۔ پیاوار
 میں ہر قسم کا غلہ بافراط پیدا ہوتا ہے۔ سنا ہے یہاں سال میں تین
 فصلیں ہوتی ہیں *

گوالیار

۲۵ جون کو اسٹیشن سے چل کر بھوپال آیا۔ اس مرتبہ اسٹیشن سے سیوڑ تک
 پر جی ظہور الحسن صاحب نے دو گھوڑوں کا ایک ٹانگہ میری سواری
 کے لئے تجویز کر دیا تھا۔ میں اس میں سیوڑ تک تنہا بیٹھا چلا آیا۔ رات کے
 ۸ بجے بھوپال پہنچ کر ۲۶ جون کو قیام کیا۔ ۲ کو چلنے کا ارادہ تھا۔ مگر بارش
 کی وجہ سے دن کو رگڑنا پڑا۔ صبح کے تین بجے بھوپال سے سوار ہو کر ۱۲ بجے
 دن کے گوالیار پہنچا۔ جب اسٹیشن سے اترا تو خوب بارش ہو رہی تھی آخر
 اسٹیشن کی متصلہ سڑاعیں قیام کیا۔ شام تک بارش ہوتی رہی۔ اگلے روز یعنی
 ۲۸ جون کو منشی قاضی عزیز الدین صاحب رخششاں جیوڑی سے ملاقات
 ہوئی۔ ان کا پتا حضرت اشک بلند شہری نے دیا تھا۔ رخششاں صاحب
 گوالیار میں معزز عہدہ دار ہیں۔ مجھ سے نہایت خلق و مہربانی کے ساتھ
 پیش آئے۔ مجھے کئی روپے تک سجدہ پیشانی مہمان رکھا۔ اشک صاحب کا

شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایک اچھے جنٹلمین سے مجھے ملوایا۔ ان کے علاوہ منشی سید مشتاق حسین صاحب اطہر پاپڑی وکیل گوالیار سے بھی نیاز حاصل کر کے طبیعت بہت خوش ہوئی اطہر صاحب باخبر اور تجربہ کار سخنور ہیں۔ مجھے شیخ ضیاء الحق اور میر مشتاق حسین صاحب کے دیکھنے کی مدت سے حسرت و تمنّا تھی۔ ایک آرزو اجیر میں پوری ہوئی اور دوسری گوالیار میں۔ اطہر صاحب خوش خلق اور مہاں نوا آدمی ہیں۔ انہوں نے ہائی کورٹ میں لے جا کر عدالت کے سب چھوٹے بڑے کمروں کی سپر کرائی۔ ان کی یہ عنایت قابل شکر گزاری ہے۔

مولوی حکیم محمد ناصر حبیب صاحب وکیل بھی شکر یہ کہے مستحق ہیں کہ آپ نے مجھ غریب الوطن کا اعزاز کیا۔ اور مہاں نوازی میں حصہ لیا۔ حکیم صاحب الفربہ خواہ مخواہ مرد آدمی ہونے کے علاوہ اس لحاظ سے بھی ایک غیر معمولی بزرگ ہیں۔ کہ آپ حکیم مومن خاں مرحوم کے نواسے ہیں۔ تجھے آپ سے نیاز حاصل کرنے کا ہمیشہ فخر رہا ہے۔ عبدالحکیم خاں ہنتریکہ سے مل کر بھی طبیعت خوش ہو گئی۔

پنٹ نرائن پرشاد صاحب فہم مترجم کتاب رہنمایان ہند سے ان کے مکان پر جا کر ملاقات کی۔ آپ لٹریری معاملات میں سمجھے ہوئے آدمی ہیں۔ آپ نے اپنا کلام بھی سنایا مجھ سے بھی سنا۔ تھوڑی دیر تک اچھی کیفیت رہی۔

گوالیار سے میری مراد ہر جگہ شکر گوالیار سے ہے۔ کیونکہ میں شہر میں نہیں گیا۔ لشکر کے بازار کشادہ اور دلفریب ہیں۔ مگر اوسبوسکی

کمی ہے۔ اکثر دکانیں بند پڑی رہتی ہیں۔ ہر بازار میں برقی روشنی کا انتظام ہے۔ تاہم برقی کے کچھ سڑکوں اور بازاروں میں بہت خوشنام معلوم ہوتے ہیں۔ یہ سب مہاراجہ صاحب کی بیدار مغزی کا نتیجہ ہے۔ مگر انہیں ہے کہ بازاروں کے پچھواڑے بہت چھوٹے چھوٹے اور غلیظ مکان بنے ہیں۔ گوالیار کی حالت اس مصرع کی مصداق ہے ۵

گھر کے اندر ہے اندھیرا اور باہر چاندنی
کچھریاں۔ ہسپتال۔ آرکٹ۔ تھیٹر کی عمارت قابل دید ہیں۔ یہاں ایک پہاڑی پر قلعہ بھی ہے۔ جو ریل میں کئی میل سے دکھائی دیتا ہے۔ اس میں اعضا تراشیدہ سنگین بتوں کا منظر قابل دید ہے۔ گوالیار میں مجھے گرمی کی سخت تکلیف محسوس ہوئی۔ بھوپال تک نہایت خوشگوار موسم رہا یہاں مجھ کثرت سے ہوتے ہیں۔ ہوا میں بھی خون پئے جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کی بابت کسی ان گھڑ شاعر کا شعر مشہور ہے ۵

چارچیز است تحفہ لشکر

گرد و گداز و کیچڑ و پتھر

صبح شعر ملتان کی نسبت اس طرح سنا ہے ۵

چارچیز است تحفہ ملتان

گرد و گداز و گورستان

بحالت مجموعی لشکر گوالیار اچھی جگہ ہے۔ بھوپال سے تیسرے

درجے کا کرایہ ہے ۵

ہاتھرس

میرا لڑ بڑی سفر گویا نہ تک ختم سمجھنا چاہئے۔ اگرچہ میں نے واپسی میں اگرچہ
اور متثر بھی کچھ قیام کیا۔ مگر اگرچہ کا مفصل حال پہلے لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے
یہاں اس کی ضرورت نہیں۔ گویا رستے میں اگرچہ کا کرایہ ہے۔ ارادہ تو یہی
تھا کہ براہ راست وہاں پہنچ جاتا ہوں۔ مگر راہ میں ایک سیڑج پڑا ہوا تھا۔ وہ یہ
ہاتھرس میں میرے تباہ زاد بھائی منشی محمد ابراہیم صاحب واصل بانی نوین
ہیں۔ اخیر مارچ میں جب بارہ دے سے اگرچہ آنا ہوا تو ہاتھرس اسٹیشن سے گاڑی
لے لی۔ بعض وجوہ سے میں اس وقت وہاں نہ آ سکا۔ اگر آپ بھی والا بلا چلا
جاتا۔ تو شاید ہمارے برادر معظم کو شکایت ہوتی یا نہ ہوتی۔ مگر مجھے ضرور افسوس
نہ ہوتا۔ اس لئے میں ہر کے پیچھے دیکر اگرچہ سے متھرا آیا۔ اور متھرا جاکر شنبہ
۴ مارچ کے رات کے بجائے ہاتھرس پہنچا۔ منشی محمد ابراہیم صاحب بارہ
تیرہ سال سے ضلع علی گڑھ میں بھروسہ واصل بانی نوین متعین ہیں۔ مگر مجھے کبھی
ان کے پاس آپ کا اتفاق نہ ہوا تھا۔ اگر یہ موقع بھی چوک جاتا۔ تو پھر خدا جانے
کب مہلت کھلتی +

ہمارے بھائی صاحب بڑے روز کے واصل بانی نوین ہیں۔ آپ کی
باتیں سن کر ایک ناواقف آدمی آپ کو اعلیٰ درجے کا مشیخت نام
سمجھ سکتا ہے۔ مگر واقعی بات یہ ہے کہ آپ بڑی خوبیوں کے آدمی ہیں
آپ کی سخن سازی بے معنی نہیں ہوتی۔ ہمارے خاندان میں آپ کی
منکسر مزاجی۔ خوش خلقی و سادگی اپنا نظیر نہیں رکھتی۔ اللہ تعالیٰ دن و گنی

رات چو گئی ترقی عطا کرے آمین +
 منشی عطاء الدین صاحب پیشکار تحصیل خصوصیت سے قابل تذکرہ ہیں
 ان کو میرے منظوم سفر نامہ موسوم پرچہ بھجوانہ سے لاہور تک (مطبوعہ
 اصلاح سخن دسمبر ۱۹۷۸ء) کا یہ مصرع بر زبان ہے

کہ تنہا فیا ضل سے ملنا ضروری
 جب آپ مجھ سے گفتگو فرماتے۔ تو اس مصرع کو ضرور پڑھتے۔ یہ
 گویا ان کی ٹیپ کا بند تھا۔ مجھے انہوں نے خاص طور پر ہدایت کی تھی
 کہ سفر نامہ میں میری بڑائی نہ لکھنا۔ آجیل مجھے ماریہ وہی بات ہے معلوم
 ہوتا ہے۔ کہ پیشکار صاحب میں کچھ بڑائیاں ہونگی۔ مثل مشہور ہے چور
 کی ڈاڑھی میں ترکا۔ مگر میں نے ان میں کوئی بڑائی نہیں دیکھی۔ میرے
 نزدیک منشی عطاء الدین صاحب پرانی وضع کے مہذب اور نیک دل بزرگ
 ہیں۔ ان کی نسبت بڑائی کا احتمال کرنا بھی اخلاقی جرم ہے +

۱۸۔ جولائی کو بالو آسارام صاحب تحصیلدار ہاتھرس نے قبضہ ڈاسنی
 میں جو علی گڑھ سے ۱۳ اور ہاتھرس سے ۷ میل کے فاصلہ پر ایسٹ انڈین
 ریلوے کا اسٹیشن ہے۔ آموں کا نوروز منایا۔ علی گڑھ کے معزز اہلکار
 مثل سب جج، وڈپٹی کلکٹر وکلاء وغیرہ بھی اس میں شریک ہوئے۔
 انکے علاوہ ہاتھرس کے اہلکار مثل منصف و سکریٹری سپرنٹنڈنٹ۔
 انسپکٹر سب انسپکٹر پولیس۔ واصلاتی نوپس۔ سپاہ نوپس۔
 وغیرہ جشن میں شریک ہوئے۔ تحصیلدار صاحب موصوف نے
 مجھے بھی چلنے کے لئے کہا۔ چنانچہ ہاتھرس سے سب لوگ فٹنوں میں

سوار ہو کر ڈاسنی گئے۔ ایک باغ میں آموں کا کافی ذخیرہ فراہم کیا گیا تھا اس کے علاوہ پوری۔ کچوری۔ مال پورے اور کیر بھی تیار کرائی گئی۔ دوپہر سے شام تک بھانڈوں اور رنڈیوں کا ناچ ہوتا رہا۔

۰ تحصیلدار صاحب کی الو العز می اور عالی ہمتی و فیاضی سے آج کا دن خوب لطف سے بسر ہوا۔ ۹ بجے کے قریب سب لوگ اپنے اپنے گھر واپس چلے گئے۔ میں اور میرے برادر معظم منشی محمد ابراہیم صاحب واصلاتی نويس ۲۰ جولائی کو اپنے وطن جھنجھانہ آئے۔ میں چند دن اپنے گھر مقیم رہ کر ۱۳۔ اگست کو لاہور واپس آ گیا۔

خاتمہ

میں پانچ سے جولائی تک یعنی کم و بیش پانچ مہینے سفر میں رہا۔ اور
مجموعی حیثیت سے ڈھائی تین ہزار میل طے کئے۔ سفر کی غرض تبدیلی آب و ہوا
و ترقی اشاعت رسالہ اصلاح سبب تھی۔ مگر فوس ہے کہ لاہور چھوڑ دینے
کے بعد صرف پانچ اور اپریل کے دو پرچے بمشکل شائع ہوئے۔ وہ بھی
پانچ کا اپریل میں اور اپریل کا جون میں۔ ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں
خریداروں کو بدگمانی پیدا کرنے کا موقع مل گیا۔ احباب کو شک گزرا
کہ خدا جانے رسالہ جاری رہے یا نہیں چنانچہ اثناٹے سفر میں اکثر لوگوں
نے یہی خیال ظاہر کیا کہ رسالے کی اشاعت کا انتظام درست ہو جائے۔ تو
ہمارے نام ویلیو بھیج دیا جائے۔ اس طرح پونے دو سو کے قریب نام لکھ لئے
گئے۔ اب ان میں سے جتنے لوگوں سے چندہ وصول ہو جائے۔ وہی مستقل
تعداد سمجھی جائے۔ *

اس میں شک نہیں میں اس سفر میں ہر جگہ زیادہ قیام کیا گیا۔ اس کی وجہ مندرجہ بالا کی تھی
بلکہ زیادہ تر یہ خیال تھا کہ روز بروز کون سفر کرتا ہے۔ اس لئے جدید احباب رشتہ اتنا
ایک ہی دفعہ مضبوط کر لینا چاہئے۔ مگر بایں اتہام و انتظام مجھے اُمید نہیں کہ بعض
احباب سے جیتے جی پھر کبھی ملاقات ہو سکے۔ یوں خدا کو سب قدرت۔ آہ یہ
کیسا دل شکن خیال ہے لیکن انسان کو "دنیا بائید قائم" کے مقولہ پر نظر رکھنی
چاہئے۔ مثل مشہور ہے۔ یا رزندہ صحبت باقی *

میں آخر میں اپنے جملہ احباب کے لئے صحت و سلامتی کی دعا کرتا ہوں۔ *

قطعہ تیار از نتیجہ مخمور مراض مجنا فیاض فاروقی مقیم جو دھپور

اب گھر سے نکلتا نہیں کچھ دس نکالا
ہو جاتا ہے امراض کا پھرنے سے از آلا
ملازم ہے یہ ہر اک کو یہ سماں ہو کہ لالا
کچھ شک نہیں ہیں۔ مگر حضرت والا
گھر چھوڑ کر پھرنا نہیں کچھ سنہ کا نوالا
ہر سمت سے آواز بہ آتی ہے۔ کہ لالا۔ لا
شغل سفر و سیر میں ہے ہوش سنبھالا
الہ نے بخشی ہے انہیں بہت والا
آگاہ ہے اس بات سے ہر جاننے والا
کراٹے ہیں والدہ اندھیرے میں اُجالا
سجدہ کوئی چھوڑی ہے۔ نہ پھوڑا ہے نہ والا
سچ جانئے اس میں نہیں کچھ دال ہیں کالا
لوگوں کے لئے جمع کیا خوب مسالا
صدا شکر اُٹھوں نے نہ کیا حلیہ حوالا
ہم نے کبھی آنکھوں سے نہ دیکھا ہونچ والا
ہے ساغر حشید۔ یہ چھوٹا سا رسالا
چھاپا ہے سفر نامہء بے مثل۔ نزالا

ہے حکم خدا کا یہ کروٹیر جہاں کی
ہوئی ہے طبیعت کو بہت سیر سے فرحت
دولت کی ہو گر جاہ تو پر دس میں جلئے
یہ سچ ہے ضروری ہے بہت سیر ممالک
دشوار ہے ہر شخص کو ہوشوق سیاحت
میں خرچ کوہ کار ہزاروں۔ کہ سفر میں
اس پر بھی بہت لوگ ہیں ایسے کہ جنہوں نے
ان میں سے وجاہت بھی میں کم درد لاور
ہے روز و لالوت سے انہیں شوق ریاحت
کئے ہیں ابھی ہندو جونی کے سفر سے
ہر شہر میں ہر ایک جگہ شوق سے پہنچے
رکھی ہے غرض خدمت اردو سے سفر میں
ہر ایک سخن فہم و سخن سنج سے مل کر
چھپو دیکھ حالات دل آویز سیاحت
اُن شہروں کی گھر بیٹھے ہوئی سیر کہ جن کو
جو کچھ ہے یہ والدہ بدولت ہے اسی کی
فیاض ہے یہ شبہ یہ احسان وجاہت

سیر دانی اللہ علیہ

اصلاح شاعری

اڈیٹر صاحب اصلاح سخن نے یہ کتاب حال میں پڑھی محنت و قابلیت سے مزین کی
 ہے عاشقانہ شاعری پر ان پچھل ہونے کے جو الزام لگائے جاتے ہیں۔ ان پر نہایت روشن
 خیالی اور وسیع انٹروی سے بحث کی ہے۔ پہلے شاعری کی کیا حالت تھی۔ اب کیا ہونی
 چاہیے۔ کون کون سی باتیں قابل ترسیم ترسیخ ہیں۔ اور اس زمانے میں کیسی شاعری
 کی ضرورت ہے۔ شاعروں کا معشوق کیسا ہونا چاہیے۔ وصل و مجر کے مضمون کس طرح
 پانہ سے چاہیں کہ شعر سے خلاف تہذیب رنگ پھیلنے نہ پائے۔ رشک و زلفیت کا
 شاعری سے کیا تعلق ہے۔ اور شعر میں اس کا اظہار کس حد تک مستحسن و جایز ہو کرے
 کے پورے گفتگو کی صورت بحث میں دار طلب ہونا۔ کس زمانے سے تعلق رکھتا ہے۔
 شاعرانہ تعلقی اخلاق و ادب و آداب و جایز ہو سکتی ہے یا نہیں۔ عاشقانہ شاعری کے فطری اور
 پچھل ہونے کا زبردست ثبوت دیا ہے۔ ہم دعوے سے کہتے ہیں۔ کہ اس قسم کی کتاب
 اردو زبان میں آج تک نہیں لکھی گئی سزید و چسپی کے لئے شاعروں کے معشوق
 کی ایک نہایت عجیب و غریب تصویر شروع میں لگائی گئی ہے اس زمانے کے
 شاعروں کو یہ کتاب ضرور مشکافی چاہیے۔ شاعری کے متعلق کوئی بات نہیں
 پھوڑی گئی۔ ہنوز زیر طبع ہے۔ تقطیع اصلاح سخن کے برابر اور صفحہ ۱۵۰
 میں۔ پیشگی درخواست کیجئے وائے اصحاب سے قیمت ۸ روپی جادہ کی
 اور مابعد طبع درخواست آنے پر قیمت ۱۰ روپی جائے گی ناظرین جلد و خوش
 صبح دیں تاکہ نام درج رجسٹر کر لئے جائیں۔

تھا

تخلیر احمد پشیمبر سالہ اصلاح سخن لاہور

اصلاحِ سخن

اردو زبان کا ایک قابل و پیا وارا رسالہ ہے

جو پنجاب کے دارالسلطنت

شہر لاہور سے ہر مہینے کی

۵ تاریخ کو باتصویر شائع ہوتا

ہے۔ اگر آپ نے اب تک نہیں دیکھا

تو آپ لٹریچر دُنیا سے بالکل بے خبر

ہیں۔ نمونے کے واسطے آدھ آنے کا

ٹکٹ ارسال کرنا چاہئے۔

قیمت سالانہ محصول چار روپے

فی نمبر ۳ روپے

نظیر احمد منیر رسالہ



15 163 910555

This book was taken from the Library
on the date last stamped. A fine of
1 anna will be charged for each
day the book is kept over time.
